# تقریظ

پروفیسر غلام عباس ازہری ...... ایم اے اسلامیات

باسمہ تعالیٰ حامدا و مصلیا

یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی مذہبی پیشوا کی تعظیم وتوقیر اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک اس کے ماننے والوں میں اس کا بے پناہ جذبہ احترام کارفرما ہو۔اس کی عظمت و برتری کا سکہ ان کے دلوں پر نہ مٹنے کی حد تک جم چکا ہو۔اس بھری دنیا میں شاید ہی کوئی بدنصیب انسان ہو جو اپنے مذہبی پیشوا کو قابل تعظیم نہ سمجھتا ہو۔وہ کون سا مذہب ہے کہ جس کے ماننے والوں نے اپنے پیشوا پر اپنا سب کچھ قربان کردینے کا بلند وبانگ نعرہ نہ لگایا ہو۔مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ بلند و بانگ نعرے اکثر مشاہدات وتجربات اور عمل و کردار کی دنیا میں زبانی دعوے ثابت ہوئے۔

محترم مصنف نے اس کتاب میں زبانی دعویداروں سے ہٹ کر ایسی عظیم ہستیوں کو تلاش کیا ہے جو قول سے زیادہ عمل کے عادی تھے جنہوں نے اپنے مذہبی پیشوا کی تعظیم وتوقیر اور اس کا ادب واحترام صرف زبان کی حد تک نہیں بلکہ عملی طور پر یہ ثابت کردکھایا کہ ان کا معاملہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے بالکل جداگانہ ہے اور انہی مقدس ہستیوں کے جذبہ عشق نے ایسا پاکیزہ انقلاب برپا کیا کہ اس سے متاثر ہونے والوں کی دنیا ہی بدل گئی اور ایسی دنیا بدلی کہ انہوں نے زمانہ کو تو بدل کر رکھ دیا مگر زمانہ انہیں نہیں بدل سکا۔اس کتاب میں ایسی ہی پاکیزہ ہستیوں کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کی مثالی زندگی کے سامنے ہمارے سر عجز وانکساری سے جھک جاتے ہیں اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔

اس کتاب کو پڑھ کر جہاں مسلمانوں کے دل اپنے اسلاف کی محبت سے سرشار ہونگے وہاں مسلمانوں کے درمیان پائی جانے والی بے یقینی کی کیفیت اور فرقہ وارانہ فکر بھی دور ہوگی ان شاءاللہ۔دعا ہے اللہ تعالیٰ محترم محمد نجم مصطفائی کی اس کاوش کو مقبول بنائے۔

آمین

پروفیسر غلام عباس ازہری

# انتساب

زمانے نے اس عالم دنیا میں بڑے بڑے انقلاب برپا ہوتے دیکھے ہیں جس میں ظلم وستم کے پہاڑ توڑ کر پورے معاشرے کو تہہ و بالا کردیا ہے۔ لاکھوں بندگانِ خدا کا خون بہایا گیا۔ سینکڑوں بستیوں کو حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ اپنی طاقت کے بل بوتے پر عوام کو اپنے انقلابی نظریات کو تسلیم کرنے پر مجبور کردیا گیا۔ ایسے انقلاب کے ذریعے قائم ہونے والی حکومتوں نے عوام کے دلوں کی بجائے جسموں پر حکومت کی مگر اسلامی انقلاب کے عظیم داعی، محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انقلاب برپا کیا وہ دنیا کے تمام انقلابوں سے مختلف تھا۔ آپ کے لائے ہوئے انقلاب سے قائم ہونے والی حکومت نے لوگوں کے جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر حکومت کی۔ میں اپنی کتاب کا ثواب ان مسلمانوں کی نظر کرتا ہوں جو یہ جاننا چاہیں گے کہ اس عظیم اسلامی انقلاب میں ہمارے اسلاف نے کیا کارنامے سرانجام دیئے۔ اس دین کو ہم تک پہنچانے کیلئے انکی کیا خدمات تھیں جن کی پاکیزہ اور صاف زندگی کو دیکھ کر ہمارا ضمیر ہم سے یہ سوال کرتا ہے کیا اسلام کے نام لیوا مسلمانوں میں ایسی برگزیدہ ہستیاں بھی گزری ہیں کہ جن کی اسلامی خدمات کو دیکھ کر اور اپنی موجودہ بدعملیوں کو دیکھ کر ہمیں یقین نہیں آتا کہ ہم ایسی برگزیدہ ہستیوں کے ماننے والے ہیں۔

میں اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں محترم بھائی وسیم الدین (لاہور) کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ہر طرح سے تعاون فرمایا اور محترم الحاج محمد طفیل بھٹی صاحب (لاہور) کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں راہیں ہموار کیں۔ میں اپنی اس کتاب کا ثواب روزِ محشر تک ان دونوں حضرات کی بھی نذر کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس تعاون پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

فقط آپ کا بھائی

**محمد نجم مصطفائی** (پنجاب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**اعلانِ نبوت** کے بعد تیرہ برس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اور زندگی کے آخری دس سال مدینہ منورہ میں گزارے۔ تیرہ سال مکی زندگی میں آپ کو کفارِ مکہ کے ظلم وستم اور مصائب وآلام کا بھرپور سامنا کرنا پڑا کیونکہ اسلام کی ابتدائی شاندار کامیابی نے کفر و باطل کے ایوانوں میں ایک کہرام برپا کر دیا تھا اور انہوں نے حق وصداقت کے علمبردار محبوبِ پروردگار حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز حق دبانے اور اسلام کے اُبھرتے ہوئے آفتاب کی کرنوں کا راستہ روکنے کیلئے ہر طرح کی کوششیں کیں۔

**ان کا یہ خیال** تھا کہ حق کی ان تابندہ کرنوں کی یلغار سے باطل کے اندھیروں کو مٹنے سے بچایا جا سکے گا۔ ان کی یہ خوش فہمی بھی تھی کہ وہ اپنے وحشیانہ جبر وتشدد سے اسلام کی تحریک کو موت کی نیند سلا دینگے اور یہ گنتی کے چند مسلمان اس نئے دین سے دل برداشتہ ہو کر ایک خدا کو چھوڑ کر پھر اپنے پرانے معبودوں کی پرستش کرنے لگیں گے۔ ان تمام تکالیف کے باوجود اسلام کو روز افزوں کامیابیاں حاصل ہوتی رہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عزم میں کسی قسم کی لچک پیدا نہ ہوئی اور پورے جوش وخروش سے تبلیغ دین کا حق ادا کرتے رہے۔ حق وباطل، نور وظلمت، نیکی اور بدی کی قوتوں کی اس کشمکش میں آپ نے حق وصداقت کے پرچم کو بلند کئے رکھا، اس دوران کفارِ مکہ نے مسلمانوں کو دولت اور اقتدار کی پیش کش کی مگر مسلمانوں نے دین اسلام کی راہ میں حائل ہونے والی ہر پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

**آخر کار** کفار مکہ نے مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دینا شروع کر دیں۔ خود پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جبر وتشدد کیا گیا۔ آپ کی راہوں میں کانٹے بچھائے گئے۔ راہ چلتے تو مٹی اور راکھ آپ پر پھینک دیتے۔ نماز پڑھتے تو سجدے کی حالت میں آپ پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دیتے، مسلسل تین سال تک خاندان بنو ہاشم کے ہمراہ آپ کو ایک گھاٹی میں محصور کر دیا اور نکلنے کے تمام راستے بند کر دیے جہاں درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کیا۔ طائف کے مقام پر پتھروں کی بارش آپ پر کر دی گئی جس سے سارا جسم اطہر لہولہان ہو گیا۔

**وہ کون سا ظلم ہے** جو کفار مکہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نہ کیا حتیٰ کہ آپ کو شہید کر دینے کے پروگرام کو بھی آخری شکل دے دی گئی۔ ان نامساعد حالات میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔

**مصائب وآلام** سے بھرپور تیرہ سالہ زندگی گزارنے کے بعد جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو کفار ومشرکین نے یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سکھ کا سانس نہ لینے دیا۔ لات ومنات اور عزیٰ وہبل (نامی مشہور بُت) جن کی جھوٹی خدائی کا ڈنکا پورے عرب میں صدیوں سے بج رہا تھا ان بتوں کو چھوڑ کر ایک خداوند قدوس کی بارگاہ صمدیت میں

سربسجود ہونا کفار و مشرکین کیلئے ہرگز قابل قبول نہ تھا۔ سارا مکہ فرط غیظ و غضب سے آتش نمرود کی طرح بھڑک اُٹھا۔ انہوں نے مٹی اور لکڑی کے بنے ہوئے اندھے اور بہرے بتوں کی قسم کھا کر کہا کہ وہ ان مسلمانوں کو ایسی اذیت ناک سزا دیں گے کہ ان کا دماغ دُرست ہو جائے گا اور وہ مجبور ہو کر ایک مرتبہ پھر اپنے باپ دادا کے معبودوں کی پوجا کرنے لگیں گے۔ قریش مکہ مسلمانوں کے خاتمے کیلئے ہمہ وقت کمربستہ ہو چکے تھے اور اس موقع کی تلاش میں تھے کہ مسلمانوں کے خلاف انتقامی کارروائی کی جائے۔

مدینہ منورہ کی پرسکون زندگی ان کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔ کفار مکہ کی بگڑتی ہوئی ذہنیت اور انتقامی کارروائی کا علم جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہوا تو آپ نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں بارہ افراد کا ایک قافلہ نخلہ کی جانب روانہ کیا تاکہ دشمنوں کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیا جا سکے اور ایک خط دیا جس میں یہ تحریر تھا کہ نخلہ میں قیام کرو اور قریش کے حالات کا پتا لگاؤ اور اطلاع دو۔

اتفاق سے اس مہم میں جب مسلمان بطن نخلہ پہنچے تو وہاں قریش مکہ کے ایک تجارتی قافلے کو موجود پایا۔ اس قافلے میں عمرو بن الخضرمی، حکم بن کیسان مخزومی، نوفل بن عبداللہ مخزومی اور عثمان بن عبداللہ بن مخزومی جیسے اسلام دشمن بھی شامل تھے۔

یہ لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر سہم گئے۔ مسلمانوں نے سوچا کہ انہیں اس طرح جانے نہ دیا جائے۔ چنانچہ حضرت واقدی بن عبداللہ نے تاک کر ایک تیر مارا جس نے عمرو بن الخضرمی کا کام تمام کر دیا اور دوسرے مجاہدین نے مشرکین مکہ پر حملہ کر دیا اور عثمان بن عبداللہ مخزومی اور حکم بن کیسان مخزومی کو گرفتار کر لیا۔ نوفل بن عبداللہ بھاگ گیا۔ سامان تجارت سے لدے ہوئے اونٹوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔

حضرت عبداللہ بن جحش دو قیدیوں اور لدے ہوئے اونٹوں کو لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان پر ناراض ہوئے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو لڑنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو قیدیوں کا فدیہ چالیس اوقیہ چاندی فی کس لے کر انہیں آزاد کر دیا۔ ان میں حکم بن کیسان نے اسلام قبول کر لیا اور بقیہ زندگی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں رہ کر گزارنے کا عزم کیا۔ جب کہ دوسرا قیدی مکہ پہنچا اور حالتِ کفر میں اس کا انتقال ہوا۔

کفارِ مکہ جو پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف انتقامی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ عمرو بن الخضرمی کی موت کی خبر سن کر مسلمانوں کے خاتمہ کیلئے ایک منظم منصوبہ تیار کر لیا۔ انہی دِنوں کفار مکہ کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں ملک شام سے مکہ آ رہا تھا جب یہ تجارتی قافلہ مدینے کے قریب پہنچا تو ابوسفیان کو شک ہوا کہ مسلمان اس قافلے کو روکیں گے۔ اس نے اپنے ایک سوار کو

جس کا نام ضمضم تھا ابو جہل کے پاس مکہ روانہ کر دیا وہ برق رفتاری کیساتھ مکہ پہنچا۔ اس نے اپنے اونٹ کے ناک اور کان کاٹ ڈالے اور اپنے کجاوے کو اندھا کر دیا اور اپنی قمیض کو پھاڑ ڈالا اور چیخ چیخ کر پکارنے لگا اے مکہ والو! اپنے قافلے کو بچاؤ، ابوسفیان پر حملہ کرنے کیلئے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور ان کے صحابہ نے چڑھائی کر دی ہے۔ اس سوار کا اعلان سنتے ہی اہل مکہ نے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور ان میں جوش و خروش کا ایک عجیب عالم پیدا ہو گیا۔ قریش کے بڑے بڑے رئیس عام لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرنے لگے۔ سہیل بن عمرو جو کہ مکہ کا رئیس اعظم تھا وہ لوگوں کو یہ کہہ کر بھڑکاتا، کیا تم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور یثرب کے بے دینوں کو اس بات کی اجازت دو گے کہ وہ تمہارے مال لوٹ کر لے جائیں۔ (معاذ اللہ) جس شخص کو دولت کی ضرورت ہے تو میری دولت اس کیلئے حاضر ہے اور اس شخص کو اسلحہ کی ضرورت ہے تو وہ میرے اسلحہ خانہ سے اسلحہ لے سکتا ہے۔ ابو جہل اس سنہری موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا اس نے مسلمانوں کے خاتمے کا مکمل ارادہ کر لیا۔

اسی دوران ابوسفیان راستہ بدل کر اپنے تجارتی قافلے کے ہمراہ مکہ پہنچ گیا۔ اب جنگ کی ضرورت نہ تھی مگر کافر اس موقع کو ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ یہ ہرگز گوارہ نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے جیتے جی کوئی ایک خدا کی عبادت کرے اور کوئی ان کے لکڑی اور پتھر سے بنائے ہوئے اندھے اور بہرے بتوں کو اپنا خدا ماننے سے انکار کرے۔ چنانچہ کفار مکہ کا لشکر جرار مٹھی بھر مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کر دینے کے ارادے سے بڑے کروفر کیساتھ مکہ سے روانہ ہوا۔ ایک ہزار کے لگ بھگ مسلح افراد کا یہ لشکر جرار جس میں چھ سو زرہ پوش اور سات سو اونٹ شامل تھے، مدینہ کی جانب روانہ ہو گیا۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مشورے طلب کئے۔ مسلمانوں کو اپنی حالت اور دشمنوں کی تیاری کا حال معلوم تھا۔ صحابہ کرام نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ ارشاد فرمائیں تو اس سمندر میں آپ کے ساتھ داخل ہونے کو تیار ہو جائیں۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ جنگ کریں ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں ہٹے گا۔ حضرت مقداد بن اسود عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں جنہوں نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا جاؤ تم اور تمہارا ربّ جنگ کرے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم آپ کے غلام ہیں ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرح نثار ہونے کو تیار ہیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم ارشاد فرمایا۔ اس وقت مسلمانوں کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ کسی کے پاس تلوار ہے تو ڈھال نہیں، تیر ہے تو کمان نہیں، کل دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے مگر جذبۂ جہاد کا یہ عالم تھا کہ چھوٹا ہو یا بڑا، کمزور ہو یا توانا، ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ اسلام کا نام روزِ محشر تک قائم و دائم رہے۔ اپنی ہستی اگر مٹتی ہے تو مٹ جائے مگر اسلام ہرگز نہ مٹے۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صف بندی کا حکم دیا۔ صف بندی ہوئی، بوڑھے اور جوان سب ہی جذبۂ جہاد سے سرشار صف میں کھڑے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صف کا معائنہ فرما رہے ہیں۔ دیکھا کہ صف کے آخر میں دو کم عمر بچے بھی کھڑے ہیں جن کے نام معوذ اور معاذ ہیں جو دونوں بھائی ہیں اور جن کے دل بھی جوش جہاد سے سرشار ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑے بھائی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، بیٹا تم بہت چھوٹے ہو۔ اس بچے نے اپنے پنجوں پر کھڑے ہو کر عرض کی کہ میں چھوٹا تو نہیں۔ واقعی اس نے سچ کہا جسکے کندھے پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ ہو وہ ہرگز چھوٹا نہیں ہو سکتا اس کی یہ ادا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند آئی اور اسے لشکرِ اسلام میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ اس کے چھوٹے بھائی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم تو بہت چھوٹے ہو، وہ عرض کرنے لگا اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرا بھائی عمر میں مجھ سے بڑا ضرور ہے مگر طاقت میں میرا اہم پلہ نہیں۔ اگر چاہیں تو کشتی کرا کے دیکھ لیں۔ چنانچہ یہ بات بھی منظور ہو گئی۔ دونوں بھائی مدمقابل ہوئے۔ کشتی کا آغاز ہوا۔ چھوٹے نے بڑے کی آنکھوں میں جھانکا۔ آنکھوں آنکھوں میں اشارہ ہوا اور چشم فلک نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کو زیر کر لیا اور اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھوٹے بھائی کا دل بھی نہ توڑا اور اسے بھی لشکرِ اسلام میں شامل کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد و ہدایت کیلئے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل کو اس دنیا میں بھیجا۔ ان میں تین سو تیرہ رسول تھے۔ شانِ قدرت دیکھئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کل صحابہ کرام کی تعداد بھی تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی جن میں صرف تین سو تیرہ صحابہ ایسے تھے جنہیں اس جنگ میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مکہ سے ہجرت فرمانے کے دو سال بعد ۲ ہجری ۱۲ رمضان کو یہ اسلامی لشکر مدینہ منورہ سے روانہ ہوا اور مقامِ بدر پر پہنچا۔ بدر کا میدان مدینہ سے ۸۰ میل کے فاصلے پر مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے یہ ریتیلا میدان بلند اور سنگلاخ چٹانوں کے دامن میں واقع ہے۔

حق و باطل کی فوجیں مقام بدر پر موجود ہیں۔ ایک طرف تین گنا بڑا لشکرِ جرار ہے جو سامانِ جنگ سے مسلح ہے۔ مال و دولت کا انبار ہے دوسری طرف تین سو تیرہ مسلمان ہیں جو سولہ دن سے روزہ سے ہیں۔ ایک تو تعداد میں کمی، دوسرا سامانِ جنگ ساتھ نہیں۔ خون کی پیاسی تلواریں عنقریب نکلنے والی ہیں۔ ایک طرف حق کے پرستار ہیں تو دوسری طرف کفر و ظلمت کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے۔ ایک طرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں تو دوسری طرف ان کے حقیقی چچا عباس، چچازاد بھائی عقیل اور داماد ابوالعاص بن ربیعہ ہیں۔ ایک طرف حضرت ابوبکر صدیق ہیں تو دوسری طرف ان کا بیٹا عبدالرحمٰن ہے۔ ایک طرف حضرت عمر فاروق ہیں تو دوسری طرف ان کا حقیقی ماموں ہے۔ ایک طرف حضرت ابو حذیفہ ہیں تو دوسری طرف ان کے والد عتبہ بن ربیعہ ہیں۔ ایک طرف حضرت ابوعبیدہ ہیں تو دوسری طرف ان کے والد جراح ہیں۔ ایک طرف حضرت حکیم بن سعید ہیں تو دوسری طرف ان کا بھائی عبید بن سعید ہیں۔ غرض یہ کہ باپ، بیٹے، بھائی اور خونی رشتے سب کے سب فراموش کر دیئے گئے اور ایک دوسرے کے مدمقابل آ گئے۔

حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کی طرف دیکھا اور اپنے دونوں ہاتھ بارگاہِ خاوندی میں بلند کردیئے اور اسی حالت میں اپنے ربّ کے حضور دعائیں مانگنا شروع کردیں۔ محویت کے اس عالم میں حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کندھوں سے چادر مبارک نیچے گرگئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیزی سے آگے آئے اور چادر اُٹھا کر حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کندھوں پر ڈال دی اور حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی اے اللہ کے پیارے نبی! آپ نے واسطہ دینے میں انتہا کردی، یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے عہد اور وعدہ کو پورا فرمائیگا۔ اسی وقت حضرت جبرائیل امین آیتِ قرآنی لیکر بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور ارشادِ خداوندی ہوا:

فاستجاب لكم انى ممدكم بالف من ملٰئكة مردفين (سورۃ انفال:۹)

تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزاروں فرشتوں کی قطار سے۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا تھا مگر حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبدیت کاملہ کی وجہ سے ایک مرتبہ پھر اپنے ربّ کے حضور دعا کی، اے اللہ! اگر یہ کافر، مسلمانوں کے اس گروہ پر غالب آگئے تو شرک غالب آجائے گا اور پھر تیرا دین قائم نہیں رہ سکے گا۔

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گریہ وزاری اور عجز وانکساری نے اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندوں کی دستگیری کی طرف مائل کردیا اور نوری فرشتوں کو حکم دیا کہ آج آسمان دنیا کی رفعتوں سے نیچے آجاؤ۔ ذکر وفکر کی محفلوں کو کچھ دیر کیلئے خیر باد کہہ دو اور مقامِ بدر کی اس وادی کا رُخ کرو جہاں میرا محبوب پیغمبر اپنے جانثاروں کے ہمراہ میرے نام کو بلند کرنے کیلئے سربکف اور کفن بدوش کفر کی طاغوتی قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہے۔ ابھی حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چشمِ نازنین آنسوؤں سے پُر تھیں اور اشکوں کے موتی اپنے ربّ کے حضور زمین پر سربسجود ہونے والے تھے کہ ایک مرتبہ پھر جبرائیل امین بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوگئے اور ارشادِ خداوندی ہوا:

سالقى فى قلوب الذين كفروا الرعب فاضربوا فوق الاعناق (سورۃ انفال:۱۲)

عنقریب میں کافروں کے دِلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو۔

**جنگ** سے ایک دن قبل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میدانِ بدر میں کافروں کے بڑے بڑے سرداروں کے نام لے کر ان کی قتل گاہ کو نشان زدہ کر دیا۔ یہ خبر لشکر کفار تک بھی جا پہنچی۔ ابو جہل نے جب یہ سنا کہ اس کا نام بھی قتل ہونے والوں میں شامل ہے تو اس کا رنگ زرد پڑ گیا اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا تم اجازت دو تو مجھے مکہ میں ایک ضروری کام ہے اسے انجام دے آؤں۔ ساتھیوں نے اسے اجازت نہ دی چند سرداروں نے علیحدگی میں لے جا کر پوچھا کہ کیا معاملہ ہے تو ابو جہل نے کہا، سنا ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے میدانِ بدر میں کچھ جگہوں پر نشان لگائے ہیں اور یہ کہا ہے کہ یہاں فلاں فلاں شخص کا قتل ہوگا۔ باوجود اختلاف کے تم سب جانتے ہو کہ ہوتا وہی ہے جو یہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہتے ہیں۔ میں نے یہ خیال کیا کہ یہاں سے چلا جاؤں مگر ابو جہل کو کسی نے جانے کی اجازت نہ دی۔

**۱۷** رمضان المبارک کی صبح ہوئی جمعہ کا مبارک دن تھا تمام مسلمان ہشاش بشاش تھے۔ جنگ کی مکمل تیاری کر لی گئی۔ کفار اپنے کندھوں پر لات اور عزیٰ کا بت اُٹھائے نعرہ لگاتے کہ ہمارے پاس عزیٰ ہے تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تم کہو کہ ہمارا پروردگار اور مولیٰ اللہ تعالیٰ ہے۔ تمہارا کوئی مولیٰ اور مددگار نہیں۔ کچھ ہی دیر کے بعد حق و باطل کا معرکہ شروع ہو گیا۔ خون کے پیاسے کفارِ مکہ بے سروسامان صحابہ کرام کے مدمقابل ہو گئے۔ جنگ شروع ہو گئی۔

**صحابہ کرام** علیہم الرضوان بڑی بے جگری سے لڑے۔ ایک صحابی حضرت عکاشہ الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار جہاد کے دوران ٹوٹ گئی دوڑے دوڑے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئے اور عرض کی اے اللہ کے رسول میری تلوار ٹوٹ گئی ہے اب میں کس سے لڑوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک لکڑی تھی وہی اُٹھا کر دے دی اور فرمایا، اے عکاشہ اس سے دشمن کے ساتھ جنگ کر، جب عکاشہ نے اسے پکڑ کر لہرایا تو وہ ٹہنی تلوار بن گئی جو کافی لمبی تھی جس کا لوہا بھی بڑا سخت تھا۔

**جنگ بدر** کے ایک مجاہد حضرت سلمہ بن اسلم کی تلوار بھی دورانِ جنگ ٹوٹ گئی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں بھی کھجور کی ایک ٹہنی دے دی اور فرمایا اس سے دشمن پر وار کرو، انہوں نے جب اس شاخ کو ہاتھ میں لیا تو وہ خاردار تلوار بن گئی۔ جنگ کے اختتام تک وہ دشمن پر حملہ کرتے رہے اور انہیں موت کے گھاٹ اُتارتے رہے۔ یہ تلوار حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے اور ان کی شہادت کے دن تک ان کے پاس رہی۔

**دورانِ جنگ** حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بازو کٹ گیا اور کندھے سے پشت کے پیچھے لٹک گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچ لیا اور تن سے جدا کر دیا جب جنگ ختم ہوئی تو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا کٹا ہوا بازو لے کر بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن اس پر لگایا تو وہ کٹا ہوا بازو کندھے سے جڑ گیا۔ (سبل الہدیٰ جلد ۴ صفحہ ۷۷، ۷۸)

**دورانِ جنگ** حضرت عمر بن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک آنکھ میں تیر لگا جس سے ان کی آنکھ پھوٹ گئی اور سارا ڈھیلا ان کے رُخسار پر بہنے لگا۔ لوگوں نے ارادہ کیا کہ اس کو کاٹ کر الگ کر دیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور دست مبارک سے اس بہتے ہوئے ڈھیلے کو واپس آنکھ میں ڈال دیا اور اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا اور انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کون سی آنکھ پھوٹی تھی یعنی آنکھ بالکل دُرست ہوگئی۔

**الغرض** صحابہ کرام نے جرأت و بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ چند ہی لمحوں میں کافروں کے بڑے بڑے سردار واصل جہنم کر دیئے گئے۔ لشکر اسلام کے دونوں ننھے مجاہد حضرت معوذ اور معاذ نے ابو جہل پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کر دیا۔ اسطرح اس کی موت بچوں کے ہاتھوں ہوئی۔ ابو جہل کے قتل ہوتے ہی کفارِ مکہ کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اس جنگ میں ستر کافر مارے گئے جن میں ابو جہل، عتبہ، شیبہ اور ولید جیسے سرکش سردار بھی شامل تھے۔ چودہ مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ **شانِ الٰہی** دیکھئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس کافر کی جو قتل گاہ بتائی تھی اس کافر کی لاش ٹھیک اسی جگہ پائی گئی۔ (ملاحظہ ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۶۴، مسلم ج ۲ ص ۱۰۲)

**کافروں** کے ستر افراد قیدی بنا لئے گئے باقی میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کیلئے فرشتوں کا لشکر اُتار دیا پہلے ایک ہزار پھر تین ہزار اور آخر میں پانچ ہزار۔ جب گھمسان کی جنگ شروع ہوئی تو فرشتے کسی کو نظر نہیں آتے تھے مگر ان کی ضرب وحرب کے نشان ضرور نظر آتے تھے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کی کہ دورانِ جنگ جب ہم کسی کافر سے نبرد آزما ہوتے تو ادھر ہم ہاتھ اُٹھاتے ادھر اس کا سر تن سے جدا ہو جاتا ہمیں سر کاٹنے والا نظر نہیں آتا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، سر کاٹنے والے اللہ تعالیٰ کے فرشتے تھے جو تمہاری مدد کو آئے تھے۔

**۱۷ رمضان المبارک** کو ہونے والے حق و باطل کے معرکہ میں فیصلہ ہو چکا اور مسلمانوں کو شاندار فتح ہوئی، کفار و مشرکین کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ کفار کی جڑیں کٹ کر رہ گئیں۔ مکہ کے گھر گھر میں صف ماتم بچھ گئی اور مسلمان پورے عرب میں ایک بھرپور قوت کے طور پر نمودار ہو گئے۔

**حضور** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جہاں کہیں کوئی لاش نظر آتی آپ اسے اسی جگہ دفن کرا دیتے۔ جنگِ بدر میں قتل ہونے والے کفار چونکہ تعداد میں بہت زیادہ تھے اور سب کو الگ الگ دفن کرنا ایک دُشوار عمل تھا، چنانچہ ان سب کو ایک ہی گڑھے میں ڈالنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان تمام لاشوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر کنویں میں ڈالتے گئے پھر اسے مٹی سے ڈھانپ دیا گیا۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معمول بھی تھا کہ جب جنگ میں فتح یاب ہوتے تو تین دن تک وہاں قیام فرماتے۔ میدانِ بدر میں بھی آپ نے تین دن تک قیام فرمایا، اس دوران آپ نے شہدائے بدر کی تدفین فرمائی۔ پھر آپ ناقہ پر سوار ہو کر چل دیئے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ رات کا وقت تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چل کر اس کنویں کے پاس آئے جس میں قریش مکہ کی لاش ڈال دی گئی تھی۔ آپ کنویں کی منڈیر پر کھڑے ہو کر مُردوں سے مخاطب ہوئے...... یا ابا جھل، یا امیہ بن خلف، یا عتبہ بن ربیعہ، یا شیبہ بن ربیعہ ...... اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اِطاعت کرتے تو کیا آج تم مسرور نہ ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے تم سے وعدہ کیا تھا کیا اس وعدہ کو تم نے سچا پایا۔ میرے ساتھ تو میرے ربّ نے جو وعدہ کیا تھا میں نے اسے سچا پایا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! یہ مرے ہوئے ہیں اور آپ ان سے خطاب فرما رہے ہیں۔ جو بے جان لاشے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے عمر! قسم خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم (زندہ لوگ) میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن سکتے لیکن اتنی بات ہے کہ یہ مردے جواب نہیں دے سکتے۔

(بخاری کتاب المغازی جلد اوّل صفحہ ۱۸۲ سبل الھدیٰ جلد چہارم صفحہ ۸۴)

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ مردے آواز سنتے ہیں اور ان کا آواز سننا بالکل زندہ لوگوں کی طرح ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مردے جواب نہیں دیتے۔ مسلمانو! آپ نے یہاں اس حقیقت کو ملاحظہ کیا کہ اللہ کے رسول نے کفارِ مکہ کے مردوں کو مخاطب کیا جس سے ایک اہم مسئلہ بھی حل ہو گیا اور وہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ آج کے اس جدید دور میں کچھ لوگ یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ مردے آواز نہیں سنتے اور انہیں مخاطب کر کے پکارنا جائز نہیں۔

مسلمانو! آج یہ عقیدہ بڑی تیزی سے لوگوں کے ذہنوں میں ڈالا جا رہا ہے اس طرح علم دین سے ناآشنا مسلمان بڑی تیزی سے اس عقیدے کو اختیار کر کے اسلامی تعلیمات کی کھلی مخالفت پر اُتر آئے ہیں۔ آخر کیوں؟ آیئے اس اہم نقطہ کو سمجھتے ہیں تاکہ گمراہ اور بے دین فرقوں کے باطل نظریئے سے بچا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

فانک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولا امد برین (سورۂ روم:۵۲)

تم مردوں کو نہیں سناتے اور نہ بہروں کو پکارنا سناؤ جب وہ پیٹھ دے کر پھریں۔

اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مردے سنتے نہیں لہٰذا ان کو پکارنا جائز نہیں۔ اس آیتِ کریمہ میں الموتی کا لفظ آیا ہے جس سے مراد 'مردے' ہیں آخر یہ مردے کون ہے؟ اس آیت کی تفسیروں میں ہے کہ مردوں سے مراد

زمانہ نبوت کے وہ کفار ہیں جن کے دل مر چکے تھے۔ کفر وشرک میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جن کی عقل وفراست کے چراغ گل ہو چکے تھے اور جنہوں نے اپنے کانوں میں تعصب کی انگلیاں ٹھونس رکھی تھیں۔ جب ان کو توحید کی طرف بلایا گیا اور نہایت دل نشین انداز سے دعوت دی گئی تو یہ اپنے کفر پر اڑے رہے اور ایسے اڑے رہے کہ جن کے کان حق سننے سے بہرے اور دل مردہ ہوگئے اور مردہ بھی ایسے جو پیٹھ دے کر پھر گئے۔

اس آیت مبارکہ کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ مردے سنتے نہیں۔ یہاں مردوں سے مراد عام مسلمان نہیں بلکہ مکہ کے وہ کفار ومشرکین ہیں جو دنیاوی زندگی تو رکھتے تھے، چلتے پھرتے تھے، کھاتے پیتے تھے، ظاہری طور پر زندہ تھے لیکن حقیقت میں یہی لوگ مردہ تھے جن میں غور وفکر کی صلاحیت دم توڑ چکی تھی۔

**اللہ تعالیٰ** نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، اے میرے محبوب نبی! کفار ومشرکین کی اس بے حسی پر آپ رنجیدہ بالکل نہ ہوں۔ ان کے دل اسلام قبول کرنے کیلئے مردہ ہو چکے ہیں اور ان کے کانوں سے حق سننے کی طاقت دم توڑ چکی ہے۔ آپ نے تبلیغ دین کا حق مکمل ادا کر دیا ہے اگر یہ حق کے متلاشی نہ ہوں تو پھر یہ ان کی مرضی۔ اس آیت کریمہ میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ جو مردے سنتے نہیں اور جو بہرے ہیں وہ کافر اور مشرک ہیں۔ نبی یا ولی یا کوئی مومن مسلمان ہرگز نہیں۔ مومنین بعد انتقال کے سنتے ہیں اور محبوبانِ خدا بعد انتقال کے تصرف بھی فرماتے ہیں۔

**امام بخاری**، امام مسلم اور دیگر محدثین نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب بندے کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دوست دفن کرنے کے بعد واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۴)

**حضرت** عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کیلئے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحبِ مزار کو اس سے بڑی راحت ہوتی ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتا ہے کہ میت اپنی زیارت کرنے والے کو پہچانتی بھی ہے اور خوش بھی ہوتی ہے اسی طرح وہابی اہلحدیث مکتبہ فکر کا امام ابن قیم لکھتا ہے کہ میت کی زیارت کیلئے جب کوئی شخص آتا ہے تو میت کو اس کی آمد کا علم بھی ہوتا ہے اور اس سے اسے بڑا سرور حاصل ہوتا ہے۔ (کتاب الروح صفحہ ۵)

**دیوبند** مکتبہ فکر کے مولوی انور شاہ کشمیری ایک حدیث نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب کوئی شخص میت کو سلام کہتا ہے تو وہ اسے اس سلام کا جواب دیتا ہے۔ اگر دنیا میں وہ اس کو پہچانتا تھا تو اس وقت بھی اسے پہچان لیتا ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۳۶۷)

**غور فرمایئے!** عام مسلمان کی برزخی زندگی کا یہ عالم ہے کہ وہ مرنے کے بعد اپنی زیارت کیلئے آنے والوں کو پہچانتے ہیں تو خوش بھی ہوتے ہیں۔ سلام کا جواب بھی دیتے ہیں تو اپنے آنے والوں کی آمد کا علم بھی رکھتے ہیں۔ ذرا سوچیئے ان حضرات قدسیہ کی برزخی زندگی کا کیا عالم ہوگا جو اپنی جانوں کو اللہ کی راہ میں قربان کر کے شہادت کا مرتبہ پاتے ہیں یا جو مقام ولایت سے سرفراز کیئے گئے یا جنہیں نبوت کا تاج پہنایا گیا۔ میدانِ جہاد میں قتل ہونے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے مسلمان اگرچہ دنیا والوں کی بے بصیرت نظروں میں مرجاتے ہیں جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے ہیں مگر اسلام میں وہ حیات ابدی پاجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دوٹوک لفظوں میں ارشاد فرمایا:

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون

اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔ (سورۂ بقرہ:۱۵۴)

**جنگِ بدر** میں جو مسلمان راہِ خدا میں شہید ہوئے ان کے بارے میں کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ فلاں کا انتقال ہوگیا وہ تو دنیوی آسائش اور لذتوں سے محروم ہوگیا۔ غیرتِ الٰہی نے لوگوں کی اس بات کو برداشت نہ کیا کہ جن لوگوں نے اسلام کی سربلندی کیلئے اپنی جانیں پروانہ وار قربان کردیں ان کو مردہ کہا جائے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت مبارکہ نازل فرما کر اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کو مردہ کہنے سے سختی سے منع فرمایا گیا بلکہ دوٹوک الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ وہ زندہ ہیں۔ ظاہری موت کے بعد اللہ تعالیٰ شہداء کو حیات جاوداں عطا فرماتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں جنت کی سیر کرتی ہیں اور وہاں کے میوے اور نعمتیں کھاتی ہیں۔ (خزائن العرفان)

**قرآن مجید** میں ایک اور جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے ربّ کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں۔

(سورۂ آل عمران:۱۶۹)

**قرآن مجید** کی مذکوہ بالا آیت مبارکہ سے بھی یہ واضح ہوا کہ شہداء زندہ ہیں اور وہ زندوں کی طرح کھاتے پیتے اور عیش کرتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ شہداء کی زندگی ہمارے فہم وادراک، عقل وفراست سے بالاتر ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی چیز کا ہمارے فہم و ادراک اور عقل کی رسائی سے بالاتر ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل ہرگز نہیں۔ مثلاً روح کی ماہیت کو آج تک کوئی نہ سمجھ سکا مگر ہر انسان کا اس بات پر یقین ہے کہ اگر روح جسم میں ہے تو انسان زندہ ہے اگر روح نہیں تو زندگی نہیں۔ اس یقین کے باوجود کسی انسان کی فہم وادراک کی رسائی روح کو سمجھنے تک نہیں۔ تو روح کا سمجھ میں نہ آنا اس کے نہ ہونے کی دلیل ہرگز نہیں۔

مسلمان اللہ پر ایمان رکھتا ہے مگر مشرک، کمیونسٹ، سکھ، ہندو اور بہت سی قومیں اللہ کو نہیں مانتیں کیا ان مشرکوں کا اللہ کو نہ ماننا اللہ کے نہ ہونے کی دلیل ہے، ہرگز نہیں۔ پس شہداء بھی زندہ ہیں وہ کس طرح زندہ ہیں ہماری عقل کی رسائی وہاں تک نہیں۔ مسلمان ہرگز عقل کا غلام نہیں ہوتا کہ عقل جس کو تسلیم کرے اسے مان لیا جائے اور جسے عقل نہ مانے اسے مسترد کر دیا جائے۔ مسلمان تو وہ قوم ہے کہ جو اپنے ربّ کے ہر فرمان کو حق اور سچ مانتی ہے وہ عقل کے گھوڑے ہرگز نہیں دوڑاتی۔ پس اسی ربّ کا یہ فرمان ہے کہ شہداء زندہ ہیں۔ صاحب روح المعانی ارشاد فرماتے ہیں کہ سلف صالحین کی اکثریت کا یہی مذہب ہے کہ شہداء کی زندگی روحانی اور جسمانی دونوں طرح کی زندگی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر روح المعانی)

تفسیر مظہری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو جسموں کی قوت دیتا ہے وہ زمین و آسمان اور جنت میں جہاں چاہیں جاتے ہیں۔

علامہ قرطبی ارشاد فرماتے ہیں، شہداء کا زندہ ہونا ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ زمین انبیاء کرام، شہیدوں، علمائے ربانین، ثواب کیلئے اذان دینے والوں اور قرآن کے حافظوں کے جسم نہیں کھاتی۔

امام بغوی نے حضرت عبداللہ ابن عمیر سے روایت کی ہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اُحد سے واپس ہوئے تو حضرت مصعب ابن عمیر (جو شہید ہو چکے تھے) کی لاش پر کھڑے ہوئے ان کیلئے دعا کی اور یہ آیت پڑھی:

من المومنین رجال صدقو (ملاحظہ ہو تفسیر خازن)

میں گواہ ہوں کہ یہ شہید ہیں تم ان کی زیارتیں کیا کرو انہیں سلام کیا کرو۔

معلوم ہوا کہ شہداء کی قبر پر جانا اور ان کی زیارت کرنا پھر سلام پیش کرنا حکمِ رسول کے عین مطابق ہے اور سلام اسے ہی کیا جاتا ہے جو زندہ ہوں مردوں کو سلام ہرگز نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کیلئے یہ قانون بنایا ہے کہ جب بھی تم مسلمانوں کے قبرستان سے گزرو تو قبر والوں کو سلام کرو۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، جب قبرستان جاؤ تو اہل قبور کو اس طرح سلام کرو:

السلام علیکم یا اهل القبور یغفر الله لنا ولکم وانتم سلفنا ونحن بالاثر

اے قبر والو! تم پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو بخش دے۔ تم ہم سے پہلے آ گئے ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔

(ملاحظہ ہو ترمذی شریف)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں: السلام علیکم یا اهل القبور من المومنین والمسلمین (ملاحظہ ہو سراج المنیر صفحہ ۲۷ از شاہ ولی اللہ)

معلوم ہوا کہ اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ جب بھی کسی قبرستان سے گزرا جائے تو قبر والوں کو یا اھل القبور کہہ کر سلام کیا جائے۔ جب عام مردہ مسلمانوں کو سلام کرنے کا حکم موجود ہے تو شہداء جو عام مسلمانوں سے زیادہ مرتبے والے ہوتے ہیں انہیں سلام کرنا ان کی زیارت کرنا بدرجہ اولیٰ ثواب اور اسلام کی اعلیٰ تعلیمات میں سے ہے۔ بدنصیبی سے آج کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ شہداء زندہ تو ہیں مگر وہ ربّ تعالیٰ کے یہاں زندہ ہیں دنیا میں نہیں۔ یہی عقیدہ مرزا غلام احمد قادیانی کی جماعت کا بھی ہے۔

(دیکھئے تفسیر القرآن مصنف مولوی محمد علی لاہوری، قادیانی)

مسلمانو! قادیانیوں کے اس نظریئے سے آپ اپنے آپ کو بچایئے۔ یہاں عقل کے گھوڑے اگر تم نے دوڑائے تو تھوڑی سی لاعلمی آپ کے متاعِ ایمان کو نیست و نابود کر سکتی ہے۔ اس بات پر ہر مسلمان کا ایمان کامل ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم بنائے اور تمام عالمین کا اللہ تعالیٰ ربّ ہے۔ کوئی عالم ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں نہ ہو۔ عالم دنیا ہو یا عالم افلاک، عالم مکاں ہو یا عالم لامکاں، عالم برزخ ہو یا عالم ارواح، اللہ ہر عالم میں موجود ہے کوئی عالم، کوئی جہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے دور نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دور نزدیک کی قید لگانا شانِ ربوبیت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات حدود و قیود سے بالاتر ہے۔ چنانچہ قادیانیوں کا یہ کہنا کہ شہداء اللہ کے نزدیک زندہ ہیں۔ اللہ سے دُور یعنی دنیا میں زندہ نہیں۔ غلط اور اسلام کے خلاف ایک کھلی سازش ہے جس سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے۔

آج قادیانی گروہ اور اس کے بہی خواہ اسلام اور قرآن کی آڑ لے کر اپنے باطل نظریئے کو اپنے لٹریچر کے ذریعے علم سے ناآشنا مسلمانوں کے ذہنوں میں منتقل کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اس باطل اور گمراہ کن عقیدے سے بچنا ہوگا اور یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ جب ہر مسلمان کا یہ ایمان کامل ہو کہ اللہ کے حکم و اذن سے شہداء، صدیقین، صالحین، اولیاء کاملین اور انبیاء کرام زندہ ہیں اور ان کا زندہ ہونا روح اور جسم کے ساتھ ہے اور وہ اس شان کے ساتھ زندہ ہیں کہ جسے سمجھنے کیلئے نہ انسان کی عقل رسائی کر سکتی ہے اور نہ ہی دورِ جدید کا کوئی سائنسی آلہ۔ اس حقیقت کو جاننے کیلئے چند ایمان افروز واقعات پڑھئے اور اپنے ایمان کو مضبوط اور قلوب کو اسلام کی ضیاء پاشیوں سے منور کیجئے۔

صاحب تفسیر کبیر ارشاد فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں کی ایک جماعت عیسائیوں سے جہاد کیلئے گئی اس ملک کے بادشاہ نے انہیں گرفتار کرلیا اور انہیں اپنے کافرانہ دین میں شامل ہونے کا حکم دیا۔ لیکن مسلمانوں نے اسلام چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ تو اس ظالم و جابر بادشاہ نے ایک کو چھوڑ کر باقی سب کو شہید کر دیا پھر اس اکیلے کو اپنے باطل دین میں داخل کرنے کی کوشش اور مال و دولت کی پیشکش کرتا رہا کہ مال و دولت لے اور اسلام چھوڑ دے۔ مگر اسلام کے اس سپاہی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وفادار اُمتی نے بالکل انکار کر دیا۔

حتیٰ کہ اس ظالم حکمران نے اس مسلمان مجاہد کو ایک حسین وجمیل لڑکی کے ساتھ ایک مکان میں بند کردیا تاکہ یہ مسلمان اس لڑکی کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوکر اسلام کو چھوڑ دے۔ مگر اس ظالم کو کیا معلوم کہ جو آنکھ جلوۂ رسول سے سرفراز ہوچکی ہو وہ دنیا کے حسن کو کہاں خاطر میں لائے گی۔ اس مردِ مومن نے قرآن پاک کی تلاوت شروع کردی۔ وہ دن بھر عبادت کرتا اور رات بھر قرآن پاک کی تلاوت کرتا اس طرح چالیس دن گزر گئے۔ ایک مرتبہ جب تلاوت کے دوران اس مجاہد کی زبان سے **محمد رسول اللہ** کے دلکش الفاظ نکلے تو لڑکی رونے لگی اور اس کا مردہ ضمیر زندہ ہوگیا اور اسلام قبول کرلیا اور مسلمان مجاہد سے کہنے لگی، اب ہمارا یہاں رہنا مناسب نہیں آؤ اب ہم دونوں یہاں سے نکل جائیں۔

**حضور** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ غلام بسم اللہ پڑھ کر اور دُرودِ پاک کا وِرد کرتا ہوا جب اس لڑکی کے ہمراہ نکلا تو دروازے پر لگے ہوئے تالے خود بخود ٹوٹتے گئے اور دروازے کھلتے گئے۔ جب دونوں بہت دُور جا نکلے تو فجر کا وقت ہوچکا تھا کہ اچانک انہوں نے گھوڑوں کے ٹاپوں اور ہنہنانے کی آوازیں سنیں، انہوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ گھوڑوں پر سوار ہیں اور یہ سو رانو جوان کے وہ ساتھی تھے جن کو ظالم بادشاہ نے چالیس دن پہلے شہید کرادیا تھا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ ۱۵۴، نزہت المجالس جلد اوّل صفحہ ۱۹۵)

**حضرت** فاطمہ الخزاعی فرماتی ہیں کہ میں نے سیّد الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت کی اور عرض کی اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا السلام علیکم۔ میں نے ان کی آواز سنی جواب دیا وعلیکم السلام۔ (خصائص الکبریٰ، ج ا ص ۲۳۰)

**حضرت** عمیر بن الحباب اسلمی فرماتے ہیں کہ مجھے اور میرے آٹھ ساتھیوں کو بنی امیہ کے دورِ خلافت کے زمانے میں رومیوں نے قید کرلیا۔ رومیوں کے سردار نے ہمیں اسلام چھوڑنے کو کہا مگر ہم نے اسلام نہ چھوڑا۔ اس ظالم سردار نے میرے آٹھ ساتھیوں کو قتل کردیا اور مجھے ایک رومی سردار اپنے گھر لے گیا اور اپنی حسین وجمیل جواں سال لڑکی کو بلایا اور کہا یہ حسن و جمال کا پیکر میری بیٹی ہے اگر تو اسلام کو چھوڑ دے اور میرے دین کو اختیار کرلے تو میں تیرا نکاح اس سے کردوں گا۔ حضرت عمیر بن الحباب فرماتے ہیں میں تیری بیٹی کی خاطر اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔

**آپ** فرماتے ہیں کہ ایک رات اس لڑکی نے مجھے اپنے باغ میں بلایا اور کہا کہ تو میرے باپ کی بات کیوں نہیں مان لیتا۔ بتاؤ تمہیں میرے پاس رہنا ہے یا اپنے وطن جانا ہے۔ میں نے کہا کہ میں اپنے وطن جانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس لڑکی نے مجھے ضروری سامان دے کر محل سے نکال دیا اور تین دن تک چلتا رہا کہ اچانک مجھے میرے وہ آٹھ ساتھی گھوڑوں پر سوار ملے۔ میں نے ان سے کہا تم تو شہید ہوچکے تھے۔ انہوں نے جواب دیا ہاں لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے جنازے میں شرکت کیلئے جارہے ہیں۔ (ملاحظہ ہو شرح الصدور صفحہ ۸۹، امام جلال الدین سیوطی)

تقریباً تیرہ سو سال پہلے ملک شام کی ایک سرسبز پہاڑ کی وادی میں تین بھائی رہا کرتے تھے۔ ان میں جذبہ شوق شہادت کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ وہ تلواروں کے سائے میں پل کر جوان ہوئے۔ ان کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ کسی طرح یہ زندگی دین اسلام کی سربلندی اور بقاء کیلئے راہِ خدا میں قربان کردی جائے۔ جس عمر میں عام طور پر لوگ دنیاوی مال ومتاع کے حصول اور جوانی کی لذتوں میں مشغول ہوتے ہیں اس عمر میں یہ نوجوان دین حق کی خاطر گردن کٹانے کی آرزو رکھتے تھے۔ ایک دن اسی جذبے سے سرشار ہوکر یہ تینوں بھائی سر پر کفن باندھ کر گھر سے نکل پڑے۔ اپنی منزل کی تلاش میں رات دن چلتے رہے لیکن انہیں اپنی منزل کہیں بھی نظر نہیں آئی۔

آخر ایک دن شب وروز کے تھکے ماندے یہ تینوں بھائی ایک پہاڑی کے دامن میں پناہ گاہ میں پہنچے تاکہ کچھ دیر آرام کیا جائے۔ ابھی اپنا سامان ایک طرف رکھا ہی تھا کہ اس ویران چٹان پر کہیں سے اذان کی آواز سنائی دی۔ چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے پوچھا کہ اس ویران کوہستانی علاقے میں اذان کی آواز کہاں سے آرہی ہے اور یہ کون لوگ ہوسکتے ہیں؟ بڑے بھائی نے پرجوش لہجے میں جواب دیا میرا خیال ہے کہ کہیں آس پاس اسلامی لشکر موجود ہے جو جہاد کی غرض سے اپنے وطن سے نکلا ہے اور پھر ان پہاڑوں کی گود میں مجاہدین کے سوا کون ہے جو اذان دے۔ یوں لگتا ہے جیسے ہماری بیتاب آرزوؤں کا سراغ ملنے والا ہے۔ تینوں بھائی نماز سے فارغ ہوکر لشکرِ اسلام کی تلاش میں نکلے۔ چاندنی رات تھی اس لئے لشکر ڈھونڈنے میں انہیں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور جلد ہی ان کی ملاقات اسلامی لشکر کے چند سپاہیوں سے ہوگئی۔

لشکرِ اسلام کے سپاہیوں نے تینوں بھائیوں سے پوچھا کہ تم کون ہے؟ کہاں سے آرہے ہو؟ اور کہاں جانا چاہتے ہو؟ بڑے بھائی نے کہا، ہم لوگ ملکِ شام کے رہنے والے ہیں اور ہماری منزل راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہونا ہے۔ ہم اپنی منزل کی تلاش میں گھوم رہے ہیں کہ کہیں ہمیں اسلامی لشکر مل جائے تاکہ ہماری خواہش پوری ہوسکے۔ اسلامی لشکر کے سپاہیوں نے تینوں بھائیوں کو مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور کہا کہ ہمارا تعلق لشکر اسلام سے ہے اگر آپ ہمارے لشکر میں شامل ہوکر جہاد کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں خوشی ہوگی۔ سپاہیوں کی زبان سے یہ خبر سن کر تینوں بھائی خوشی سے جھوم اُٹھے اور ان کے ساتھ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے اسلامی لشکر میں شامل ہوگئے۔

روم کی سرحد پر عیسائی قوم چاروں طرف سے اُمنڈ کر جمع ہوگئی تھی تاکہ دینِ اسلام کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کر سکے۔ اسلامی لشکر ان کے مذموم مقصد کو خاک میں ملانے کیلئے جہاد کی غرض سے نکلا تھا اور صحراؤں، دریاؤں اور پہاڑوں کو روندتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اسلامی لشکر کے جلال و ہیبت سے دھرتی کا سینہ بھی کانپ رہا تھا۔ کیونکہ آج کائنات کی سب سے بڑی طاقت حرکت میں آچکی تھی اور مسلمانوں کی غیرت نے ایک ایسی انگڑائی لی تھی کہ بڑے بڑے سورماؤں کے دل بھی دہل رہے تھے۔ اسلامی لشکر جب روم کی سرحد کے قریب پہنچا تو دشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے اور ان کی جنگی تیاریوں کی خبر حاصل کرنے کیلئے چند مجاہدین پر مشتمل ایک دستہ تیار کیا جس میں یہ تینوں بھائی بھی شامل تھے۔

یہ چھوٹا سا دستہ پہاڑوں اور بیابان جنگلوں کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک ہی رومیوں کے لشکر سے ٹکراؤ ہوگیا۔ دونوں طرف سے تلواریں بے نیام ہوگئیں۔ مٹھی بھر مجاہدین کا یہ دستہ ٹڈی دل رومیوں کے لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ تینوں بھائی بجلی کی مانند دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ دشمنوں نے چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا۔ پیچھے سے کسی نے کمند پھینک کر انہیں گرفتار کرلیا اور بادشاہِ روم کے دربار میں تینوں بھائیوں کو پیش کردیا۔

اسلامی لشکر کے اس چھوٹے سے معرکہ سے رومی فوجیوں پر ایسی دھاک بیٹھی کہ انہوں نے جنگ کا ارادہ ملتوی کردیا۔ بالآخر اسلامی لشکر کو کئی ہفتے بعد حجاز کی طرف واپس لوٹنا پڑا۔

آج بادشاہِ روم کے دربار میں تینوں بھائی قیدی کی حیثیت سے حاضر ہیں اور ان کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ رومی بادشاہ نے گرجدار آواز میں ان سے کہا، تمہارے جرم کی سزا سوائے موت کے اور کچھ نہیں لیکن مجھے تمہارے حسین اور خوبصورت چہروں اور اُٹھتی ہوئی جوانیوں کو دیکھ کر بڑا رحم آرہا ہے۔ اگر تم لوگ اپنا مذہب تبدیل کرلو اور عیسائیت کو قبول کرلو تو تمہاری جان بخش دی جائیگی اور اس کے علاوہ شاہی دربار کا بڑے سے بڑا اعزاز بھی تمہیں دیا جائے گا۔

اسلام کے غیور مجاہدوں نے جواب دیا، اے بادشاہ جس موت کی تو نے ہمیں دھمکی دی ہے شاید تم نہیں جانتے کہ اس کی تلاش میں نکلے ہوئے ہمیں ایک عرصہ بیت گیا ہے۔ مال و دولت کا لالچ دے کر تم ہم سے ہمارا دین ہرگز نہیں لے سکتے۔ ہمارے نزدیک قافلہ حیات کی منازل تختِ سلطانی نہیں ہماری اُمنگوں کا مرکز تو صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے۔

اُس عالم جاوداں کی طرف جانے کیلئے بالکل تیار کھڑے ہیں تم اپنے جلادوں کو حکم دو کہ وہ اپنی تلواریں اُٹھائیں اور اپنا کام کریں۔ ہمارے لئے تلواروں کی چھاؤں سے جنت کا فاصلہ بس ایک قدم ہے۔

مجاہدینِ اسلام کے اس جرأت مندانہ جواب سے دربار میں سناٹا چھا گیا اور رومی بادشاہ فرطِ غضب سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے بولا، گستاخ تم نے اپنی زبان کھول کر اپنی موت کو آواز دی ہے تو پھر تیار ہو جاؤ فولاد کی زنجیروں میں بھی تمہاری حق پرستی کا غرور کم نہیں ہوا۔ تلواریں معزز باعزت بہادروں پر اُٹھائی جاتی ہیں تم جیسے بے ادبوں کیلئے تلوار ہرگز استعمال نہیں کی جاسکتی بلکہ تمہاری سزا بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ بادشاہ نے غصے سے کانپتے ہوئے جلادوں کو حکم دیا کہ دہکتی ہوئی آگ پر تیل سے بھرا ہوا کڑھاؤ چڑھا دیا جائے اور اُبلتے ہوئے تیل میں ان تینوں کو جھونک دیا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی ایک کھلے ہوئے میدان میں آگ پر تیل کا کڑھاؤ چڑھا دیا گیا جس میں تیل کا چشمہ اُبل رہا ہے۔ مجاہدینِ اسلام کا انجام دیکھنے کیلئے درباریوں کی کرسیاں مقتل کے سامنے لگی ہوئی ہیں۔ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تینوں بھائی سامنے کھڑے ہیں۔ قیامت خیز طغیانی کی طرح تیل کا چشمہ پھوٹ پھوٹ کر اُبل رہا تھا۔

سب سے پہلے جلادوں نے بڑے بھائی کی گردن میں رسی کا پھندا ڈالا۔ بادشاہ نے اشارہ کیا جیسے ہی حکم ملا بڑے بھائی کو جلاد نے رسی کے ذریعے کھینچا، دونوں چھوٹے بھائی چیخ اُٹھے پہلے ہمیں آگ میں ڈالا جائے۔

بڑے بھائی نے مسکراتے ہوئے کہا، صبر کا دامن ہرگز مت چھوڑنا۔ تیل کے قریب ہی چشمہ کوثر ہمارا منتظر ہے۔ وہاں پہنچنے کیلئے صرف ایک غوطہ کافی ہے میں حوضِ کوثر پر تمہارا انتظار کروں گا۔ رسی کھینچ دی گئی دینِ اسلام کا ایک سرفروش اُبلتے ہوئے تیل کی طرف بڑھنے لگا۔ آتش فشاں کی طرح کھولتے ہوئے تیل کا فاصلہ قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔

**اچانک** فضا میں کلمہ شہادت کی صدا گونجی اور دینِ اسلام کے اس سرفروش نے **یا محمداہ** (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! کا ایک پُر جوش نعرہ بلند کیا۔ چھوٹے بھائیوں سے یہ ہولناک منظر نہ دیکھا گیا انہوں نے فرطِ غم سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور بے خودی کے عالم میں اپنے بھائی کو الوداع کہا، اے بھائی! حوضِ کوثر پر ہمیں نہ بھلانا۔ جب آنکھ کھول کر دیکھا تو منزلِ عشق کا پہلا مسافر اپنی منزل کو پہنچ چکا تھا۔ فرشتے اس کی مقدس روح کو عالمِ بالا کی طرف لے جا چکے تھے کچھ ہی دیر کے بعد دوسرا بھائی بھی **یا محمداہ** (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اپنے بڑے بھائی سے جا ملا۔ اب صرف چھوٹا بھائی رہ گیا تھا۔ یہ نوجوان مجاہد حسن و جمال کا پیکر تھا جس کا دمکتا ہوا چہرہ جو بھی دیکھے، دیکھتا رہ جائے۔

جلاد نے اس کی گردن میں بھی رسی ڈال دی وہ اسے کھینچنا ہی چاہتا تھا کہ وزیر نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کی اے بادشاہ! یہ نوجوان اب تنہا رہ گیا ہے یہ شکل وصورت سے عیار و چالاک معلوم نہیں ہوتا۔ اسے بہ آسانی عیسائی بنایا جاسکتا ہے آپ اسے میرے حوالے کردیں، مجھے اُمید ہے کہ چالیس دن کے اندر اندر اسے اسلام سے منحرف کردوں گا۔ بادشاہ نے وزیر کی درخواست قبول کرلی۔نوجوان کے گلے سے پھندا نکال دیا گیا اور وزیر اسے اپنے محل میں لے گیا اور ایک پر تکلف اور آرام دہ کمرے میں ٹھہرادیا۔کچھ دیر کے بعد وزیر کی بیٹی باپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔وزیر نے بیٹی کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا میری پیاری بیٹی آج میں نے سنگین قدم اُٹھایا ہے مجھے تم سے اُمید ہے کہ تم میری زبان کا بھرم رکھ لوگی۔ وزیر زادی نے کہا آپ کا حکم سر آنکھوں پر یہ کنیز جان دے کر بھی اپنا فرض پورا کرے گی۔حکم دیجئے میرے لائق کیا خدمت ہے۔

وزیر نے کہا، میں عرب نوجوان کو اپنے محل میں لے آیا ہوں اور بادشاہ سے یہ وعدہ کر کے لایا ہوں کہ چالیس دن کے اندر اندر اسے اسلام سے منحرف کردوں گا اگر میں اس مقصد میں کامیاب ہوگیا اور اپنا وعدہ پورا کر کے اس مسلمان کو عیسائی بنادیا تو پورے روم پر میرے حسن تدبر کا سکہ بیٹھ جائے گا۔تمہیں اپنے حسن و جمال سے اس نوجوان کو اپنا گرویدہ بنانا ہے۔ وزیر زادی نے کہا، ابا حضور! چالیس دن کی مہلت بہت زیادہ ہے اسے دام فریب میں لانا میرے لئے چند لمحوں کی بات ہے تعجب ہے کہ آپ ایک معمولی بات کیلئے اتنے فکر مند ہو رہے ہیں۔

رات ڈھل چکی تھی سارا محل نیند کی آغوش میں تھا۔اس وقت روم کی سب سے حسین وجمیل دوشیزہ، وزیر کی بیٹی بڑی خاموشی سے اُٹھی خوشنما کپڑے زیب تن کئے اور بھرپور ساحرانہ اداؤں کے ساتھ نوجوان مجاہد کے کمرے میں داخل ہوئی۔اس نے دیکھا کہ نوجوان اپنی پیشانی سجدے میں جھکائے زاروقطار رورہا ہے اور اپنے ربّ سے مناجات کررہا ہے۔

وزیرزادی اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہے رات آہستہ آہستہ اپنا سفر طے کررہی ہے مگر نوجوان کی گریہ وزاری میں کمی پیدا نہیں ہورہی۔اپنی اداؤں سے قیامت برپا کردینے والی وزیرزادی اس نوجوان کو سجدے سے نہ اُٹھا سکی۔حتیٰ کہ دن نمودار ہوگیا جلوہ حسن کا سارا زور ٹوٹ گیا۔ماتھے پر بل ڈالے بڑی خاموشی کے ساتھ وہ اپنے کمرے میں آگئی۔دوسری رات پھر قیامت کی ادائیں اپنے جلوؤں میں لئے وہ وزیر زادی مجاہدِ اسلام کے کمرے میں داخل ہوئی۔آج نوجوان حالتِ نماز میں تھا اور ساری رات عبادتِ الٰہی میں مصروف رہا۔اس طرح چالیس دن گزر گئے۔اس دوران لڑکی سے بات کرنا تو درکنار اس کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔وہ ہر وقت اپنے ربّ کی عبادت میں مشغول رہتا۔چالیس دن کی معیاد ختم ہوگئی۔وزیر کی بیٹی تمام تر حشر سامانیوں کے باوجود اس نوجوان کو اپنا گرویدہ نہ بنا سکی۔آخر بادشاہ سے وزیر نے چالیس دن کی اور مہلت طلب کرلی۔

**چالیس** دن کی دوسری مہلت کا آغاز ہوا۔ روم کی وزیرزادی اپنے حسن و جمال کا جادو جگا کر نوجوان کے کمرے میں آتی رہی لیکن ہر مرتبہ اسے مسلمان مجاہد عبادت و ریاضت میں مشغول ملتا۔ یہ حقیقت ہے کہ بناوٹ کی نمائش حقیقت کے سامنے کامیاب نہیں ہوسکتی۔ شہزادی کے حسن کا جادو ٹوٹ کر پارہ پارہ ہوگیا۔ آج کی رات گزشتہ راتوں سے یکسر مختلف تھی۔ نوجوان اپنے ربّ کے حضور رو رو کر دعا میں مشغول تھا۔ آج روم کی وزیرزادی اسلام کے شہزادے کے سامنے شکستہ حال کھڑی تھی۔ اسلام کی حقانیت کا سکہ اس کے دل پر بیٹھ گیا اور اسکے دل کا عالم بدل گیا۔ شوق میں ڈوبی ہوئی پہلی آواز اس نے اپنے منہ سے نکالی اے پاک دامن نوجوان! میں تیرے مذہب کو قبول کرتی ہوں۔ جس مذہب نے تمہیں فرشتوں جیسا تقدس عطا کیا۔ جو دنیا میں صرف اور صرف اپنی سچائی کی وجہ سے پھیلا۔ میں اس عیسائی مذہب پر لعنت بھیجتی ہوں جو اپنی عصمتوں کو فروخت کر کے اپنے لئے جگہ بناتا ہے۔ جو مال و زر کی رشوت دے کر لوگوں کو خریدتا ہے۔ وزیرزادی یہ کہہ کر خاموش ہوگئی۔

**مسلمان** نوجوان نے اس کی طرف ایک نظر دیکھا تو اس کے چہرے پر سچائی اور خلوص کے آثار نمایاں طور پر نظر آئے۔ وہ شکستہ دل نظریں جھکائے کھڑی تھی نوجوان نے اس کے سامنے پہلی بار کہا، اپنی زبان سے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کیلئے کلمہ طیبہ پڑھ لو...... لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

**وزیرزادی** نے نوجوان کے کہنے پر کلمہ پڑھا اور مشرف بہ اسلام ہوگئی۔ مسلمان ہوجانے کے بعد لڑکی نے نوجوان سے کہا اب اس جگہ ہمارے لئے رہنا مناسب نہیں، ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ نوجوان نے کہا ضرور مگر اس شرط پر کہ تم دورانِ سفر مکمل طور پر پردہ میں رہوگی اور میرے آگے نہیں پیچھے چلوگی۔ بات طے ہوگئی دوسری رات سارا محل نیند کی آغوش میں بدمست تھا۔ رات کے اندھیرے میں دو گھوڑے آگئے اور دونوں گھوڑوں پر سوار ہوکر سرپٹ دوڑاتے ہوئے نکل گئے۔ دونوں مسلسل سفر کرتے رہے۔ رات تیزی سے سفر کرتی ہوئی سحر کی جانب بڑھتی گئی حتیٰ کہ دن کا اُجالا نمودار ہوا۔

**وہ محل** سے بہت دور جا نکلے تھے کہ اچانک گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی نوجوان نے اپنی تلوار میان سے باہر نکال لی۔ لڑکی نے گھبراتے ہوئے کہا، یوں لگتا ہو کہ دشمن ہمارے پیچھے آچکے ہیں۔ نوجوان نے تسلی دیتے ہوئے کہ اگھبراؤ نہیں میری تلوار ان سب کیلئے کافی ہے۔

آواز کسی پہاڑی کے پیچھے سے آرہی تھی جونہی انہوں نے پہاڑی عبور کی نوجوان مجاہد کے منہ سے بے اختیار ایک چیخ نکلی بھائی جان آپ۔ وہ حیرت سے اپنے بھائیوں کو دیکھنے لگا۔ آپ کو تو کئی ہفتے پہلے میری آنکھوں کے سامنے تیل کے کھولتے ہوئے کڑھاؤ میں زندہ ڈال دیا گیا تھا۔ عالمِ برزخ میں پہنچ جانے والے کیا زندوں کی طرح ہماری دنیا میں واپس آسکتے ہیں؟

بڑے بھائی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، کیوں نہیں، شہیدوں کا حال عام مرنے والوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے وہ جہاں چاہیں جاسکتے ہیں۔ بڑے بھائی نے گفتگو کا سلسلہ بڑھاتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کو یہ خوشخبری سنائی کہ عالم بالا میں تمہاری پاکدامنی کی دھوم مچی ہوئی ہے اور سرکارِ دوعالم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تمہارا نکاح اس نومسلم وزیرزادی سے کرادیں۔ وزیرزادی خاموش کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی۔ شہید ہونے والوں کو اس طرح زندہ دیکھ کر اسے اسلام کی حقانیت کا اور یقین ہوگیا۔ کچھ دیر کے بعد ان دونوں کا نکاح شہید بھائیوں نے پڑھایا اور ان پر جنت کے پھول نچھاور کئے اور مبارک باد دیتے ہوئے عالم بالا کی طرف پرواز کر گئے۔ (ملاحظہ ہو شرح الصدور صفحہ ۹۰ از امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

**مسلمانو!** اوپر دیئے گئے ان ایمان افروز واقعات سے واضح ہوجاتا ہے اور کہ شہداء زندہ ہوتے ہیں اور وہ ایک عالم سے دوسرے عالم میں تصرف فرماتے ہیں جب شہداء کا یہ حال ہے تو اولیاء کرام، صحابہ کرام اور انبیاء کرام جن کا مرتبہ شہداء سے بھی اعلیٰ اور ارفع ہے تو ان کے مرتبے کا کیا عالم ہوگا۔

حضرت امام مالک موطا میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جنگِ اُحد کے چھیالیس سال بعد حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبداللہ بن جبیر کی قبریں سیلاب سے کھل گئیں تو آپ کے جسم مبارک یوں تروتازہ اور شگفتہ و شاداب پائے گئے جیسے انہیں کل ہی دفن کیا گیا ہے۔

علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس واقعہ کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ ۴۶ سال بعد شہدائے اُحد کی قبروں سے جب ان کے جسموں کو نکالا گیا تو ان کے بدن پھولوں کے غنچوں کی طرح تروتازہ تھے اور کفن میلے بھی نہ ہوئے تھے۔ لوگ کہتے تھے گویا ان کو کل ہی دفن کیا گیا ہے۔ بعض شہداء کو دیکھا گیا کہ ان کے ہاتھ اپنے زخموں پر رکھے ہوئے ہیں جب ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا تو نیچے سے تازہ خون نکلتا تھا اور ان کا ہاتھ چھوڑ دیتے تو وہ ہاتھ خود بخود زخموں پر پہنچ جاتا۔ (ملاحظہ ہو جذب القلوب صفحہ ۱۹۴)

بغداد سے چالیس میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے جس کا پرانا نام مدائن تھا جہاں اکثر صحابہ کرام گورنری کے عہدے پر فائز رہے۔ اس قصبے کا موجودہ نام قصبہ سلمان ہے۔ اسی قصبہ میں صحابی رسول حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار ہے۔ قصبہ سلمان سے دو فرلانگ کے فاصلے پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو صحابہ حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزارات ایک غیر آباد جگہ پر واقع تھے۔

آج سے پینسٹھ سال پہلے یعنی ۱۹۳۲ء کی بات ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں شاہِ عراق سے فرمایا، میرے مزار میں دریائے دجلہ کا پانی آگیا ہے اور حضرت جابر کے مزار میں نمی شروع ہوگئی ہے ہم دونوں کو موجودہ مزارات سے منتقل کر کے دیائے دجلہ سے دور دفن کر دیا جائے۔ شاہ عراق مسلسل دو راتوں تک یہ خواب دیکھتے رہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مفتی عراق کو بھی خواب کے ذریعے آگاہ فرمایا۔ مفتی عراق دوسرے دن شاہِ عراق کے پاس گئے اور اپنا خواب بیان کیا۔ شاہ عراق نے کہا، بخدا میں بھی دو راتوں سے یہ خواب دیکھ رہا ہوں اگر مزارات منتقل کرنے کا فتویٰ دے دیں تو میں اس کی تعمیل کیلئے تیار ہوں۔ مفتی اعظم عراق نے مزارات کھولنے اور مقدس لاشوں کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا فتویٰ دے دیا۔

چنانچہ فتویٰ اور شاہی فرمان دونوں اخبارات میں شائع کر دیئے گئے۔ عراقی اخبارات میں اس خبر کا چھپنا تھا کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ خبر آناً فاناً پھیل گئی۔ خبر رساں ایجنسیوں نے اس خبر کو پوری دنیا میں پہنچا دیا۔ اتفاق کی بات کہ ان ہی دِنوں حج کے ایام بھی شروع ہوگئے۔ دنیا بھر کے مسلمان حج کی سعادت حاصل کرنے حرمین شریفین میں جمع ہونے لگے۔ انہوں نے شاہِ عراق سے درخواست کی کہ مزاراتِ مقدسہ حج کے بعد کھولے جائیں تاکہ حج کو آنے والے مسلمان اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ اس طرح ہندوستان، مصر، افریقہ، شام، لبنان، حجاز، فلسطین اور دنیا کے کونے کونے سے شاہ عراق کے نام خط بھیجے گئے۔ چنانچہ دنیا کے مسلمانوں کے پُرزور مطالبہ پر یہ اعلان کیا گیا کہ مزارات حج کے دس دن بعد کھولے جائیں گے۔

ٹھیک حج کے دس دن بعد لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں دونوں مزارات کھولے گئے۔ لاکھوں افراد نے اس منظر کو دیکھا کہ واقعی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار میں دریائے دجلہ کا پانی داخل ہو چکا تھا اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار میں نمی پیدا ہو چکی ہے۔ تمام ممالک کے سفراء، عراقی حکومت کے تمام ارکان، شاہ عراق اور لاکھوں حجاج کرام کی موجودگی میں پہلے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسمِ اطہر کو انتہائی ادب واحترام کے ساتھ کرین کے ذریعے قبر کے اندر سے اس طرح اوپر اُٹھایا گیا کہ نعش مبارک کرین کے ساتھ رکھے ہوئے اسٹریچر پر خود بخود آگئی پھر نعش مبارک شیشے کے تابوت میں رکھ دی گئی۔ اس کے بعد اسی طرح حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعش مبارک کو ادب واحترام کے ساتھ کرین کے ذریعے قبر سے نکالا گیا۔ شاہ عراق، مفتی اعظم عراق، ولی عہد مصر، وزیر مختار جمہوریہ ترکی اور دیگر سربراہوں نے کندھا دیکر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے قریب ہی ان دونوں صحابہ کو دفنا دیا۔

مسلمانو! آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ تیرہ سو سال پہلے دفنائی گئی ان نعشوں کو جب نکالا گیا تو انہیں دیکھ کر یہ اندازہ ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال پہلے کی نعشیں ہیں۔ نعش پاک کے کفن اور داڑھی مبارک کے بال تک صحیح حالت میں تھے۔ یوں لگتا تھا کہ انہیں دو تین گھنٹے پہلے ہی دفنایا گیا ہو۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں بہت سے لوگوں نے چاہا کہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں لیکن انکی آنکھوں کی نورانیت اتنی زیادہ تھی کہ لوگ اپنی آنکھیں نہ ملا سکے۔ ظاہر ہے جن آنکھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو پھر کون ہے جو ان آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکے۔

دنیا کے بڑے بڑے ڈاکٹر یہ منظر دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ جرمن ڈاکٹر اسلام کی اس جیتی جاگتی حقیقت کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے مفتی اعظم عراق کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ کے مذہب اسلام کی حقانیت اور صحابہ کرام کی بزرگی کا اس واقعہ سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے لہٰذا میں مسلمان ہوتا ہوں...... لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اس واقعہ کی دھوم پوری دنیا میں مچ گئی۔ بے شمار یہودی اور نصرانی خاندان مسلمان ہونے لگے۔ یہ تاریخی واقعہ اگلے زمانے میں رونما نہیں ہوا بلکہ ہمارے ہی زمانے کا واقعہ ہے۔ اس واقعہ کو ہر مذہب ہر ملک کے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ دنیا بھر کے اخباروں نے اس واقعہ کو شائع کیا۔

**مسلمانو!** اب میں آپ کی خدمت میں ایسا واقعہ پیش کرتا ہوں جو اس سے پہلے شاید آپ نے کسی کتاب میں نہ پڑھا ہو۔

**گزشتہ** دِنوں میری ملاقات ایک بزرگ حضرت الشیخ حافظ محمد عبدالواحد مدنی سے ہوئی۔ آپ مدینہ منورہ میں بلدیہ کے نائب مدیر اعلیٰ کے سرکاری عہدے دار تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک اہم واقعہ مجھے سنایا اور تحریری طور پر لکھ کر بھی دیا جو میری فائل میں موجود ہے۔ وہ واقعہ کیا ہے۔ آیئے انہی سے سنتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

**۱۹۷۳ء** میں مسجدِ نبوی کی توسیع کی اسکیم کی ابتداء ہوئی۔ مسجد نبوی کی مغربی سمت میں کچھ فاصلے پر ایک محلّہ تھا۔ حکومتِ سعودیہ نے اس آبادی کے مکینوں کو محلّہ خالی کر دینے کا حکم دیا تا کہ ان کے مکانات کو گرا کر مسجد نبوی کو وسیع کر دیا جائے۔ اس وقت بلدیہ کے مدیر اعلیٰ سلیمان صاحب تھے۔

**بستی** کے تمام افراد اپنے مکانات خالی کر کے چلے گئے۔ اسی بستی میں ایک پرانا بوسیدہ سا مکان بھی تھا جو بند رہا کرتا تھا۔ نقشہ طلب کیا تو معلوم ہوا کہ اس بوسیدہ مکان میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ اور دیگر سات صحابہ کرام کی قبریں ہیں۔ حکم ہوا کہ ان کی قبروں کو کھود کر تمام مقدس ہستیوں کو نکالا جائے اور رات کی تاریکی میں جنت البقیع میں دفنا دیا جائے۔

چنانچہ میں اپنے عملے کے ہمراہ رات کی تاریکی میں اس بوسیدہ مکان میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کو کھودا گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسد عنصری برآمد ہوا موٹا سفید خوشبودار کفن تھا۔ آپ کا جسد مبارک خوشبو سے معطر تھا اور مہک بے انتہا تھی۔ اس وقت میرے اور مدیر اعلیٰ کے علاوہ اور بہت سے افراد موجود تھے۔ جنہیں فوراً دور کر دیا گیا۔ صرف چند مزدوروں کو قریب رکھا۔ رئیس المدینہ جناب محسن صاحب مرحوم کو اطلاع دی گئی، وہ فوراً تشریف لائے اور انہوں نے بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرۂ اقدس کی زیارت کی۔ اس وقت زیارت کرنے والوں میں ترکی، سوڈانی، پاکستانی، نائیجریا اور ہندوستان سے تعلق رکھنے والے احباب بھی موجود تھے۔ میں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرۂ اقدس کو بڑی اچھی طرح دیکھا۔ بڑا ہی حسین چہرہ، ماتھے پر سیاہ رنگ کا ہلکا سا نشان تھا جس طرح عام طور پر نمازیوں کی پیشانی پر ہوتا ہے۔ نبض کی جگہ ہاتھ رکھ کر دیکھا اور زور دیا تو خون ہٹ گیا، سفید نشان پڑ گیا ہاتھ ہٹانے پر خون پھر ہاتھ میں دوڑنے لگا۔ پھر دیگر سات قبریں بھی کھودی گئیں تو ان میں سات صحابہ کرام کے اجسام مقدسہ بالکل صحیح حالت میں ملے۔ ان اصحاب کرام میں ایک حضرت مالک بن سنان یا حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ باقی اصحاب کے نام معلوم نہ ہوسکے۔ خوشبو تمام اجسام سے آرہی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی غسل فرما کر آرام کرنے کیلئے لیٹے ہیں۔ تمام کفن میلے تک نہ ہوئے تھے پھر راتوں رات ان مقدس ہستیوں کو جنت البقیع میں منتقل کر دیا۔ میں اس پوری کاروائی میں شامل تھا اور جو کچھ بھی میں نے ذکر کیا ہے خدا گواہ ہے از روئے ایمان سچ کہا ہے، جھوٹ بول کر اپنی آخرت ہرگز برباد نہیں کرسکتا۔

حضرت قبلہ عبدالواحد مدنی کے مذکورہ بالا حلفیہ بیان سے بھی یہی واضح ہوا کہ محبوبانِ خدا مرنے کے بعد بھی صحیح سلامت رہتے ہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں کہ جو پندرہ سو برس کا عرصہ گزرنے کے بعد صحیح سلامت رہے اور ان کے جسم سے خوشبو کے جھونکے آتے رہے۔ اس واقعہ سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ صاحب ایمان نہیں تھے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

اس واقعہ کی تصدیق پاکستانی اخبارات نے بھی کی ہے۔ (ملاحظہ ہو روزنامہ نوائے وقت، روزنامہ امروز لاہور، بتاریخ ۲۳-۷-۱-۲۱)

**مسلمانو!** اب آپ اس حقیقت کو سمجھ گئے ہونگے کہ اللہ کے محبوب بندے مرنے کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآن مجید میں انہیں مردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ غور فرمائیے جب اُمتی کا مرنے کے بعد زندہ ہونے کا ثبوت قرآن و حدیث اور معتبر کتابوں میں موجود ہے تو امام اُمتیوں کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برزخی زندگی کا عالم کیا ہوگا۔ جب اُمتی شہید ہونے کے بعد زندہ ہوسکتے ہیں تو پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ کیوں نہیں ہوسکتے۔ جب اُمتی زندہ تو نبی بدرجہ اولیٰ زندہ ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زندہ ہونے پر قرآن مجید کی یہی ایک آیت کافی ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ویکون الرسول علیکم شہیدا (سورۂ بقرہ:۱۴۳)

یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں واضح کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گواہ ہیں۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کے نیک اعمال اور بُرے اعمال دونوں کی گواہی دیں گے اور سابقہ انبیاء کے بارے میں بھی گواہی دیں گے کہ انہوں نے تبلیغ کا حق ادا کیا۔ قرآن مجید کی اس آیتِ کریمہ ہی سے واضح ہوجاتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کے گواہ ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ گواہی وہی دے سکتا ہے جو زندہ ہو، مردہ گواہی ہرگز نہیں دے سکتا۔

جس کا اس بات پر ایمان ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُمت کے گواہ ہیں تو اس کو اس بات پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں، خود حضور کا ارشادِ گرامی ہے: فنبی اللہ حی اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۱۱)

غیر مقلد وہابی اہلحدیث کے امام ابن قیم انبیاء کرام کے زندہ ہونے کے ثبوت میں لکھتا ہے، شبِ معراج بیت المقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات انبیاء کرام سے ملاقات ہوئی۔ اسی سفرِ معراج میں مختلف آسمانوں پر مختلف انبیاء سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تو بار بار ملاقات اور نمازوں کی تعداد پچاس سے گھٹا کر پانچ کروانے کا واقعہ ہر خاص و عام کے علم میں ہے۔ ان دلائل کے بعد ابن قیم لکھتا ہے مذکورہ دلائل سے قطعی طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ انبیاء کرام کی موت کا فقط یہ مطلب ہے کہ وہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہوگئے ہیں ہم ان کو نہیں دیکھتے حالانکہ وہ زندہ موجود ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب الروح صفحہ ۴۳)

وہابی اہلحدیث مکتبہ فکر کے ابن قیم کی مذکورہ بالا عبارت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ہماری بے بصیرت نگاہیں انہیں دیکھ نہیں سکتیں۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام کے تمام اجزاء سلامت رہتے ہیں ان کی دونوں حالتوں موت و زندگی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۱)

آج سے تقریباً نو سو سال پہلے ۵۵۷ھ میں بادشاہ وقت سلطان نورالدین زنگی نے ایک رات میں تین مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے قریب دو شخص کھڑے ہیں آپ نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ مجھے ان دونوں کے شر سے خلاصی دے۔ سلطان نورالدین زنگی سمجھ گئے کہ مدینہ منورہ میں کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ چنانچہ وہ اسی وقت تیار ہوئے اور اپنے ہمراہ بیس افراد اور بہت ساز و جواہرات ساتھ لایا اور ملک شام سے مدینہ منور روانہ ہوئے اور سولہ دن کے اندر مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور آتے ہی ان دونوں افراد کے کھوج میں لگ گئے اور اعلان کیا کہ اہل مدینہ میں سے ہر خاص و عام انعام واکرام حاصل کرے۔ ہر شخص نے انعام واکرام حاصل کیا مگر وہ دو افراد حاضر نہ ہوئے۔ سلطان نورالدین زنگی نے کہا، کوئی ایسا شخص تو نہیں رہ گیا جس نے انعام حاصل نہ کیا ہو۔ لوگوں نے کہا، دو بڑے ہی سخی شخص ہیں جو نہایت صالح اور شب و روز اپنی جگہ پر عبادت کرتے رہتے ہیں اور اپنے حجرے سے باہر نہیں نکلتے۔ بادشاہ نے انہیں بھی حاضر کرنے کا حکم دیا وہ جیسے ہی حاضر ہوئے بادشاہ انہیں پہچان گیا کہ یہ دونوں شخص وہی ہیں جن کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں دِکھایا تھا۔ بادشاہ نے کہا، تم کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اپنے حجرے میں۔ بادشاہ ان کے حجرے میں داخل ہوا دیکھا کہ کمرے میں ایک طرف طاق میں قرآن مجید رکھا ہے اور کچھ وعظ و نصیحت کی کتابیں رکھی ہیں ایک طرف مال و زر کا ڈھیر لگا ہوا ہے جو وہ مدینہ منورہ کے فقراء اور مساکین میں تقسیم کرتے تھے۔ ان کی ایک خواب گاہ بھی تھی جس میں وہ سویا کرتے تھے جہاں ایک بڑی سی چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ بادشاہ نے چٹائی کو ہٹایا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ اس کے نیچے ایک سرنگ بنی ہوئی ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ پاک تک کھدی ہوئی چلی گئی ہے۔ کمرے کے ایک طرف کنواں کھدا ہوا ہے جس میں سرنگ کی مٹی بھر دی جاتی ہے۔

**بادشاہ** نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا۔ انہوں نے انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ وہ غیر مسلم نصرانی ہیں اور نصاریٰ قوم نے انہیں حاجیوں کے لباس میں کافی مال و زر دے کر بھیجا تھا کہ مدینہ طیبہ پہنچ کر سرنگ کے ذریعے حجرہ انور میں داخل ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو نکال لیا جائے تاکہ نعوذ باللہ گستاخی کریں۔ نصرانیوں نے مزید انکشاف کرتے ہوئے کہا، ابھی ہم قبر کے قریب ہی پہنچے تھے کہ زبردست دھماکہ اور زلزلہ عظیم برپا ہوا اسی رات کی صبح بادشاہ وقت نورالدین زنگی پہنچ گئے۔ یہ سن کر بادشاہ وقت پر ایک رِقت طاری ہو گئی اور بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہوا اور زار و قطار روتا رہا۔ آخر کار ان دونوں گستاخوں کی گردنیں اُڑا دیں اور روضہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اطراف ایسی گہری بنیادیں کھودیں جو پانی کی تہہ تک پہنچ گئیں اور سیسہ پگھلا کر اس میں بھر کر دیواریں کھڑی کر دیں تاکہ قیامت تک کوئی گستاخ ایسی جرأت نہ کر سکے۔ (ملاحظہ کیجئے جذب القلوب شیخ عبدالحق محدث دہلوی، تاریخ مدینہ ص ۱۲۶، ۱۲۷)

**تاریخ اسلام** کے اس ناقابل فراموش واقعہ کو جان لینے کے بعد ہر انصاف پسند مسلمان اس حقیقت کا اعتراف کرے گا کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اور حالات و واقعات سے باخبر بھی ہیں۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ میں مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ (بخاری شریف، ج ا ص ۳۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مومن ایسا نہیں ہے کہ میں جس کے قریب نہ ہوں اس دنیا میں بھی اور قیامت میں بھی۔ (بخاری شریف، ج ا ص ۱۸۳۔ مشکوۃ شریف، ص ۲۴،۲۵)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب انسان کو مرنے کے بعد قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو دو فرشتے منکر نکیر آتے ہیں اور میت کو اُٹھا کر سوال کرتے ہیں...... من ربك تیرا ربّ کون ہے؟ ما دينك تیرا دین کیا ہے؟ مسلمان جواب دیتا ہے: میرا ربّ اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے پھر فرشتے مجھے میت کے سامنے کھڑا کر کے سوال کرتے ہیں: ما كنت تقول في هذا الرجل تو اس مردِ خدا کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ (ترجمہ) مومن کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے مقبول بندے اور رسول ہیں۔ پھر آسمانوں سے آواز آئے گی کہ میرے بندے نے سچ کہا اور یہ اپنے امتحان میں کامیاب ہوگیا ہے اسلئے اس کیلئے جنت کا فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اس کیلئے ابھی سے جنت کا دروازہ کھول دو تا کہ یہ قیامت تک اسی کیف و مستی اور مسرت وراحت کے ساتھ یہاں رہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری شریف، ج ا ص ۱۸۳۔ مشکوۃ شریف، ص ۲۴،۲۵)

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں ایک مسلمان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام واکرام کی بارش اور اپنے دامن رحمت میں بخشش کا سایہ صرف اس لئے کیا جارہا ہے کہ اس نے اللہ کے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قبر میں پہنچنے کے بعد بھی حاضر و ناظر، موجود و گواہ اور زندہ جان کر پہچان لیا۔ دنیا کا یہ دستور ہے کہ طالبِ علم کو اسکول و مدرسہ میں جو سبق یاد کرنے کو دیا جاتا ہے تو وہی یاد کر کے درس گاہ جاتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح دنیا میں جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں تو قبر میں بھی یہی عقیدہ لے کر جاتا ہے اور یہی عقیدہ قبر کے سخت ترین امتحان میں کامیابی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب کافر سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں سوال ہوگا تو وہ کہے گا لا ادری میں نہیں جانتا۔ اس کے نہ جاننے کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ اس نے دنیا میں جیتے جی کبھی یہ تسلیم نہیں کیا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ پھر اس کی قبر اتنی تنگ کردی جائے گی کہ اس کی ہڈیاں تک پس جائیں گے اس کیلئے جہنم کا دروازہ کھول دیا جائے گا تا کہ قیامت تک اب یہ اس دردناک عذاب میں مبتلا رہے۔

**اے مسلمانو!** قبر کے ہولناک عذاب سے بچنے کی یہی ایک صورت ہے کہ جب تک زندہ رہیں یہی عقیدہ رکھیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کے احوال سے باخبر ہیں اور زندہ بھی ہیں۔ یہی عقیدہ اور ایمان قبر میں نجات کا سبب بنے گا کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر قبر میں تشریف لاتے ہیں۔ یہاں بہت سے عقل کے گھوڑے دوڑانے والے حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں ہر قبر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے آسکتے ہیں؟ ان کا یہ اعتراض حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر اعتراض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ مقام اور عظمت عطا فرمائی اور اسی خداداد قدرت کے تحت آپ ایک ہی وقت میں ہر جگہ آجا سکتے ہیں۔

**غور فرمایئے** کہ زمین پر بسنے والے انسان ہر روز مرتے ہیں ہر شہر ہر ملک میں ان کے جنازے اُٹھتے ہیں کوئی دن کو مرتا ہے تو کوئی رات کو کوئی صبح کو مرتا ہے تو کوئی شام کو۔ اس فرش زمین پر کوئی وقت کوئی گھڑی ایسی نہیں کہ کسی کا انتقال نہ ہوتا ہو۔ ایک ہی وقت میں ہزاروں انسانوں کی روحیں جسم عنصری سے پرواز کرجاتی ہیں مگر آج تک کسی نے یہ سوال نہیں کیا کہ ایک ہی فرشتہ ایک وقت میں دنیا بھر میں مرنے والوں کی روح کیسے قبض کرلیتا ہے۔ جب ایک فرشتہ کو یہ مقام و تصرف اور اختیار حاصل ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں ہر جگہ موجود ہوسکتا ہے تو کیا فرشتے سے زیادہ بلند مرتبے والے اور تمام نبیوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ قدرت حاصل نہ ہوگی کہ وہ ہر جگہ ہر مقام اور ہر قبر میں ایک ہی وقت میں جلوہ افروز ہوسکیں؟

**مسلمانو!** مذکورہ بالا مختصر سے حقائق سے یہ واضح ہوا کہ شہداء بھی زندہ تو اولیاء کرام بھی زندہ، انبیاء کرام بھی زندہ تو ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی زندہ۔ قرآن مجید میں جہاں یہ ارشاد فرمایا گیا:

فانك لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولا امد برين (سورۂ روم:۵۲)

تم مردوں کو نہیں سناتے اور نہ بہروں کو پکارنا سناؤ جب وہ پیٹھ دے کر پھریں۔

اس آیت سے مراد ہرگز شہداء، اولیاء اور انبیاء نہیں بلکہ وہ کفار و مشرکین ہیں جو زندہ ہوکر بھی مردہ ہیں جن کے ضمیر مردہ، جن کے دل مردہ، جو حق سننے کو بالکل تیار نہیں۔ ایسے گونگوں، بہروں اور مردہ دل کفار کے بارے میں ایک اور جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

ان شر الدواب عند الله الصم البكم الذين لا يعقلون (سورۂ انفال:۲۲)

بے شک سب جانوروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو بہرے گونگے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں بھی کفار و مشرکین کو بہرا اور گونگا کہا گیا ہے کیونکہ وہ حق کو سننے کے بعد بھی حق سے استفادہ نہیں کرتے تھے۔ اگرچہ انکی شکل و صورت انسانوں جیسی ہی تھی مگر حقیقت میں وہ ایسے بہرے گونگے ہیں کہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں جن کو عقل نہیں۔

معلوم ہوا کہ قرآن میں جن کو مردہ، بہرا اور گونگا کہا گیا ہے وہ حقیقت میں کفار و مشرکین ہیں جن کے کان حق سننے سے بہرے، جن کی زبانیں حق بولنے سے گونگی اور جن کے دل حق قبول کرنے سے مردہ ہیں۔ کیونکہ انہوں نے کھلی سرکشی اور دانستہ کفر و عناد کی وجہ سے حق کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ جو حضرات مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کو محبوبانِ خدا اولیاء کرام اور انبیاء کرام سے منسوب کرتے ہیں وہ غضبِ الٰہی کے مرتکب اور احکامِ الٰہی کے باغی ہیں۔ کفار و مشرکین کی مذمت میں نازل ہونے والی آیتِ مبارکہ کو انبیاء کرام اور اولیاء کرام سے منسوب کرنا ایمان برباد کردینے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ میدانِ بدر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین کے مردہ سرداروں کو نام بنام پکارا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم (زندہ) میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن سکتے۔ غور فرمایئے! جب کفار کے مردہ زندوں کی بات سن سکتے ہیں تو مومنین کے وفات یافتہ اولیاء کرام، شہداء کرام اور انبیاء کرام ہم زندوں کا دُرود و سلام اور فریاد کیوں نہیں سن سکتے؟ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین کی مردہ لاشوں کو مخاطب کر کے پکارا اور وہاں شرک و بدعت کا گزر تک نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کو ان کی وفات کے بعد پکارنا کیسے ناجائز حرام و بدعت ہوسکتا ہے؟

جنگِ بدر میں گرفتار ہونے والے کفارِ مکہ جب قیدی بن کر مدینہ منورہ میں آئے تو ان کو دیکھنے کیلئے بہت بڑا مجمع جمع ہوگیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے تیرہ سالہ مکی زندگی میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عرصہ حیات تنگ کر کے رکھ دیا تھا مگر ان قیدوں کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو رعایتیں کیں، کسی قوم کی تاریخ اس رعایت و نرمی کا جواب نہیں دے سکتی۔

یہ بات پوری دنیا کیلئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے کہ جو سلوک مسلمانوں نے اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا یہ مثال کسی دوسری قوم میں ہرگز نہیں۔ آج کی بڑی بڑی مہذب قوم کے ٹھیکیدار اور عالم انسانیت کے نام نہاد علمبردار یورپ و امریکہ باوجود انسانی حقوق کی دعویدار ہونے کے، ایسی مثال پیش نہیں کرسکتے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ قیدی دو دو چار چار کی شکل میں اپنے صحابہ کی خدمت میں تقسیم کردیئے اور فرمایا انہیں آرام کے ساتھ رکھا جائے۔ صحابہ کرام نے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ اگر گھر میں کھانا کم ہوتا تو قیدیوں کو کھلا دیتے اور خود کھجور کھا کر سو جاتے۔ قیدیوں کے کپڑے سلواتے خود پھٹے پرانے پہنتے ان میں سے کسی قیدی کو قتل نہیں کیا بلکہ فدیہ دے کر رہا کردیا۔ ان میں جو لوگ غریب و نادار تھے اور فدیہ نہیں دے سکتے تھے انہیں بغیر فدیہ کے چھوڑ دیا۔ اللہ اکبر! کیا عجیب عفو و کرم ہے کہ اپنے خون کے پیاسوں کے آرام و آسائش کا خیال رکھا جارہا ہے۔ (ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۶۴۶)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے وہ بھی اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ جنگِ بدر کے موقع پر بیس اوقیہ سونا مشرکین کی امداد کیلئے ہمراہ لائے تھے۔ جب آپ ایک قیدی کی حیثیت سے مدینہ پہنچے تو آپ سے بھی کہا گیا کہ فدیہ ادا کرو چچا جان وہ مال کہاں گیا جو آپ نے میری چچی اُم الفضل کیساتھ مل کر زمین میں دفن کر دیا تھا اور میری چچی کو کہا تھا کہ اگر میں میدانِ جنگ میں مارا جاؤں تو یہ مال میرے بچوں فضل، عبداللہ اور قثم کے حوالے کر دینا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر حضرت عباس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ حیرت بھرے انداز میں کہنے لگے آج مجھے معلوم ہوا کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ اس بات کا علم میرے اور ام فضل کے سوا کسی اور کو نہیں تھا اگر آپ اس واقعہ کو جانتے ہیں تو واقعی اللہ کے رسول ہیں پھر اس واقعہ سے حضرت عباس، حضرت عقیل اور حضرت نوفل تینوں داخل اسلام ہو گئے۔ (مدارج النبوۃ جلد۲ صفحہ ۹۷۔ زرقانی جلد ۱ صفحہ ۴۴۷۔ سبل الہدیٰ جلد ۴ صفحہ ۱۰۵)

جب نوفل کو قید کیا گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا کہ جدہ میں تمہارے جو نیزے رکھے ہیں وہ فدیہ کے طور پر دے دو ہم تمہیں آزاد کر دیں گے یہ سن کر نوفل ہکا بکا رہ گیا۔ کہنے لگا اس بات کا علم میرے سوا کسی دوسرے کو نہ تھا اگر آپ کو اس راز کا علم ہے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ جدہ میں ان کے ایک ہزار نیزے تھے وہ سب انہوں نے فدیہ دے دیئے اور مسلمان ہو گئے۔ (سبل الہدیٰ جلد چہارم صفحہ ۱۰۵)

مقامِ بدر سے جو کفار اپنی جانیں بچا کر بھاگے ان بھاگنے والوں میں قباث بن الیشم الکنانی یہودی بھی تھا۔ جس وقت وہ اپنی جان بچا کر بھاگا تو اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے، ایسا واقعہ تو میں نے کبھی نہ دیکھا جس میں عورتوں کے سوا سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ صدا لگاتا ہوا وہ مکہ جا پہنچا۔ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد اسلام کا تصور اس کے ذہن پر نقش کرنے لگا اور دل میں خیال پیدا ہوا کیوں نہ مدینہ جا کر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے حالات معلوم کئے جائیں۔ یہ سوچ کر وہ مدینہ جا پہنچا۔ آپ مسجدِ نبوی میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔

وہ شخص بھی وہاں پہنچ گیا لیکن وہ یہ نہ جان سکا کہ ان میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کون ہیں۔ چنانچہ قباث نے سلام کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اے قباث! تم ہی وہ قباث ہو جس نے میدانِ بدر میں یہ الفاظ کہے تھے، ایسا واقعہ میں نے کبھی نہ دیکھا جس میں عورتوں کے سوا سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب قباث نے یہ سنا تو کہنے لگا کہ خدا کی قسم یہ جملہ میں نے کسی دوسرے کے سامنے نہیں کہا تھا، صرف میں ہی جانتا تھا۔ میں آپ کی رسالت پر ایمان لاتا ہوں۔ اگر آپ رسول نہ ہوتے تو آپ کو اس بات کا علم ہر گز نہ ہوتا۔ اس طرح قباث بن الیشم بھی مسلمان ہو گیا۔ (ملاحظہ ہو شواہد النبوۃ)

اہل مکہ کو جیسے ہی اپنے عزیز و اقارب کے قتل ہونے کی اطلاع ملی تو ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ ہر طرف سے گریہ وزاری، آہ وفغاں کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ جگر سوز چیخ و پکار نے مکہ مکرمہ کی ساری فضا کو سوگوار بنا کر رکھ دیا۔ عورتوں نے اپنے سر کے بال تک منڈوا دیئے۔ سینہ کوبی کرتیں۔ منہ پر طمانچے مارتیں اور اپنا گریبان تک پھاڑ دیتیں اور یہ شرمناک سلسلہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا۔ (سبل الہدیٰ جلد ۴ صفحہ ۱۰۳)

عمیر بن وہب کی اہمیت مکہ کے بت پرست معاشرہ میں بہت تھی۔ میدان بدر میں سب سے پہلے جنگ کی ابتداء اسی نے کی تھی۔ جب مشرکین مکہ کو شکست سے دوچار ہونا پڑا تو یہ میدانِ جنگ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔ اس کے بیٹے کو مسلمانوں نے جنگی قیدی بنا لیا۔ عمیر بن وہب کی دوستی صفوان بن امیہ سے تھی۔ صفوان کے باپ امیہ بن خلف اور بھائی اور چچا کو مسلمانوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ دونوں کے دِلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ ایک دن عمیر اور صفوان حطیم کعبہ میں بیٹھ کر آنسو بہا رہے تھے۔ صفوان کہنے لگا اے عمیر میرا باپ بھائی مکہ کے بڑے بڑے سردار جس طرح میدانِ بدر میں قتل ہوئے ہیں انہیں یاد کر کے دل پاش پاش ہو رہا ہے۔ اب زندگی میں کوئی مزہ نہیں رہا۔

عمیر نے کہا اے صفوان تم سچ کہتے ہو میرے سینے میں بھی انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے میرا بیٹا مسلمانوں کی قید میں ہے۔ خدا کی قسم اگر میں قرضدار نہ ہوتا اور بیوی بچوں کی فکر سے دوچار نہ ہوتا تو اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ روانہ ہو جاتا اور چشم زدن میں دھوکہ سے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو قتل کر کے فرار ہو جاتا اس طرح آتش انتقام کو ٹھنڈا کرتا جو میرے اور تیرے بلکہ سارے اہل مکہ کے دلوں میں بھڑک رہی ہے۔ اگر میں وہاں جاؤں اور مارا جاؤں تو لوگ یہی کہیں گے کہ قرض سے بچنے کیلئے اس نے جان بوجھ کر اس خطرہ میں چھلانگ لگائی ہے۔ صفوان کے دل میں اپنے باپ، بھائی اور چچا کے قتل کے باعث آگ سی لگی ہوئی تھی۔ کہنے لگا اے عمیر میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس مہم کو سر کرنے میں اگر تیرے ساتھ کوئی معاملہ پیش آیا تو تیرا سارا قرض میں ادا کرونگا اور جب تک میں زندہ ہوں تیرے بیوی بچوں کے جملہ اخراجات کو برداشت کروں گا۔ تم ان باتوں کی بالکل فکر نہ کرو اگر تم نے ایسا کر دیا تو پوری قوم تمہاری شکر گزار ہوگی۔ دونوں کے درمیان معاہدہ طے ہوگیا۔ صفوان، عمیر کیلئے زادِ سفر تیار کرنے لگا اس نے اسے تلوار دی جس کی دھار کو خوب تیز کر دیا تھا اور اسے کئی بار زہر آلود کیا۔ عمیر اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ جا پہنچا۔ بڑی خاموشی کیساتھ اپنا اونٹ مسجد نبوی کے دروازے کے پاس بٹھا دیا۔ تلوار کو گلے میں لٹکایا اور مسجد میں داخل ہونے کا ارادہ کیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے جھرمٹ میں جلوہ افروز تھے۔ اچانک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہ اس پر پڑی اور فرمایا، قریش کا یہ شیطان کسی اچھی نیت سے یہاں نہیں آیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے پکڑ لیا اور گردن سے پکڑ کر بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پہنچا دیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا، عمیر کیسے آنا ہوا؟ کہنے لگا میں اپنے قیدی بیٹے کی خبر لینے آیا ہوں تاکہ میں اسکا فدیہ ادا کروں اور اسے آزاد کراؤں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تمہارے گلے میں جو تلوار لٹک رہی ہے اسکی تمہیں کیا ضرورت تھی؟ عمیر اپنے مذموم ارادے پر پردہ ڈالتے ہوئے کہنے لگا، ان تلواروں کا ستیاناس ہو ان تلواروں نے ہمیں کونسا پہلے فائدہ پہنچایا ہے۔ یہ تلواریں فولاد کی نہیں بلکہ لکڑی کی بنی ہوئی ہیں جنہوں نے ہمیں معرکہ بدر میں دھوکہ دیا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، سچ سچ بتاؤ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ اس نے پھر جھوٹ دہرایا کہ اپنے بیٹے کی خیریت معلوم کرنے آیا ہوں لیکن حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر اس کا راز فاش کر دیا کہ تم نے صفوان بن امیہ کے ساتھ حطیم کعبہ میں بیٹھ کر کیا شرطیں طے کی تھیں۔ اب وہ گھبرایا، کہنے لگا میں نے صفوان کیساتھ کیا شرطیں طے کی ہونگی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم نے مجھے قتل کرنے کی اس شرط پر ذِمہ داری قبول کی ہے کہ وہ تمہارے بچوں کے اخراجات کا کفیل ہوگا اور تیرے قرض خواہوں کو تیرا قرض بھی ادا کرے۔ اے عمیر سن تیرے اور میرے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہے۔ تیری مجال نہیں کہ میرا بال بیکا کر سکے۔ عمیر اس راز کی بات کو سن کر سناٹے میں آگیا اس کی عیاری، چالاکی اور دانشمندی کے سارے قلعے پیوند خاک ہوگئے۔ بے ساختہ اس کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہوگیا۔

اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمد رسول اللّٰہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

عمیر بن وہب دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا اور عرض کرنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم آسمانی وحی کے بارے میں آپ کا مذاق اُڑاتے تھے مگر یہ راز جس سے آج آپ نے پردہ اُٹھایا ہے ہم دونوں کے سوا اور نہیں جانتا تھا۔ آپ یہاں بیٹھ کر سینکڑوں میل دور وقوع پذیر ہونے والے واقعہ کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور اللہ آپ کو اس سے آگاہ فرماتا ہے تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ آپ اللہ کے پیارے رسول ہیں۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے آپ کے قدموں میں بھیج دیا۔ جب عمیر مکہ سے مدینہ روانہ ہوا تھا تو صفوان لوگوں کو کہا کرتا تھا کہ عنقریب میں تمہیں مدینہ منورہ سے ایک خوشی کی خبر سناؤں گا۔ چنانچہ جو بھی شخص مدینہ سے مکہ آتا صفوان اس سے پوچھتا کہ مدینہ میں کوئی حیران کن واقعہ ہوا ہے؟ آخر ایک آنے والے نے بتایا ہاں ہوا ہے، عمیر مسلمان ہوگیا ہے۔ یہ سن کر اس پر بجلی سی گر پڑی، عمیر جب مکہ آیا تو اس نے تبلیغ دین کا کام بڑی تیزی سے شروع کر دیا اور ان کی تبلیغ سے بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے۔

مسلمانو! غزوۂ بدر کے اس تاریخ ساز واقعہ میں جہاں بہت سے پہلو ہمارے سامنے اُبھر کر آئے وہاں یہ حقیقت بھی ہمارے علم میں اُجاگر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کو جہاں بے شمار خوبیوں سے نوازا وہاں آپ کو علمِ غیب کی دولت سے بھی نوازا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے جنگ سے ایک دن پہلے کفاروں کے نام اور ان کی مقتل گاہیں بتا دیں۔

حضرت عباس کا خزانہ، حضرت نوفل کے نیزے، قباث بن الیشم کے وہ الفاظ جو جنگِ بدر سے بھاگتے ہوئے اس نے اکیلے میں کہے، عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ کے خفیہ معاہدہ کا انکشاف فرمایا۔ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہ ہوتا تو ان چھپی ہوئی باتوں کا آپ ہرگز اظہار نہ فرماتے۔

**پیارے مسلمانو!** ہمارا علم اور غیب کا علم یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ ہمیں جو علم حاصل ہوتا ہے وہ مدرسوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دیگر تحقیقی اداروں سے حاصل ہوتا ہے اور غیب کا علم وہ ہے جو نہ مدرسوں سے حاصل ہوتا ہے نہ اسکولوں سے، نہ کالجوں سے اور نہ کسی اور ادارے سے، یہ ایک پوشیدہ علم ہے جسے قرآن مجید نے علمِ غیب یعنی غیب کا علم قرار دیا ہے۔

**شیخ** عبدالقادر مغربی فرماتے ہیں، جو چیز انسانوں سے پوشیدہ اور مخفی ہو اور جو وہ اپنے حواس اور شعور کی قوتوں سے یا فراست و قیاس سے یا عقل کے زور سے اس تک رسائی حاصل نہ کر سکے، اس کو غیب کہتے ہیں۔ معلوم ہوا غیب کا علم پوشیدہ اور مخفی ہوتا ہے۔ جسے انسان نہ اپنی فہم عقل سے حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے شعور اور فراست سے۔ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **انك انت علام الغيوب** بیشک تو ہی ہے سب غیبوں کا جاننے والا۔ (سورۂ مائدہ:۱۰۹)

**معلوم** ہوا غیب صرف اللہ جانتا ہے۔ کوئی انسان خواہ کتنا ہی ذہین ہو اس کے علم و عرفان کا پیمانہ خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اس کے درجات و مرتبے خواہ کتنے ہی اونچے کیوں نہ ہوں وہ غیب نہیں جان سکتا۔ نہ اپنے حواس سے اور نہ قوتِ شعور سے، نہ فراست سے، نہ عقل و قیاس سے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ اس نعمتِ غیب سے سرفراز فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس نعمت سے کن کو سرفراز فرماتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

**علم الغيب فلا يظهر علىٰ غيبه احداً الا من ارضى من** (سورۂ جن:۲۶،۲۷)

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

**آیتِ کریمہ** سے واضح ہوا کہ علمِ غیب کے دروازے ہر ایرے غیرے کیلئے کھلے ہوئے نہیں بلکہ اس نعمت سے تو وہ پسندیدہ رسول سرفراز کئے جاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اور جتنا چاہتا ہے انہیں علمِ غیب عطا فرما دیتا ہے۔

**قرآن مجید** میں ارشادِ خداوندی ہے:

**وعلم آدم الاسماء كلها** اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔ (سورۂ بقرہ:۳۱)

**حضرت** آدم علیہ السلام جو زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں ان کے علمِ غیب کی یہ شان ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے سب کے سب اسماء سکھا دیئے۔ ذرا سوچئے! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو سارے جہانوں کے خلیفہ ہیں ان کے علوم و معارف کا کیا عالم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جس نے علمِ غیب دیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنہوں نے علمِ غیب لیا وہی بہتر جان سکتے ہیں۔

غیب پر آگاہ ہونا ہر کسی کے بس و اختیار میں نہیں اور نہ ہی ہر کسی میں اس کی صلاحیت ہو سکتی ہے۔ عام لوگوں کا ذریعہ علم تو عقلی دلائل اور ظاہری اسباب و علامات ہیں اور علمِ غیب سے صرف رسولوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کیونکہ ان ہی برگزیدہ ہستیوں میں غیب پر مطلع ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے اور اولیائے کرام کو یہ نعمت حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اور غلامی سے میسر ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر انہیں یہ نعمت ہرگز نہیں مل سکتی۔ علمِ غیب اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے وہ جتنا چاہتا ہے اپنے رسولوں کو یہ علم سکھا دیتا ہے۔ اس علم غیب کو جتنا چاہا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کو عطا کیا اور جتنا دیا یہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود اور غیر متناہی علم کا محدود ذرّہ ہے۔ اگر چہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے لامتناہی علم کے سامنے محدود اور مختصر ہے مگر مخلوق کے علم کے مقابل ایک بیکراں سمندر ہے جس کی حدود و قیود ہم انسان متعین نہیں کر سکتے۔

جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو بغض و حسد کی بناء پر یہاں تک لکھ دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو اپنے انجام کا بھی علم نہ تھا (نعوذ باللہ) انکی اپنی تنگ نظری اور تنگ دلی ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمتی کا اپنے نبی کے علم کے بارے میں یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلبِ انور کو علمِ غیبیہ سے بھرپور فرمایا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرح ذاتی ہے نہ غیر متناہی بلکہ وہ محض عطائے الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم لامتناہی کی نسبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اتنا بھی تو نہیں جتنا صحرا کے مقابلے میں ذرّہ اور دریا کے مقابلے میں قطرہ۔ لیکن مخلوق کے علم کے مقابلے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم ایسا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے کہ جس کی گہرائی کا آج تک کوئی اندازہ نہ لگا سکا اور جسکے کنارے تک آج تک کسی کی رسائی نہ ہو سکی۔ جس کی وسعتوں کو دینے والا ربّ جانے یا لینے والا رسول، سکھانے والے کو پتا یا سیکھنے والے کو۔ ہم اور تم کس گنتی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

علمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما (سورۂ نساء:۱۱۳)

اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس ذاتِ اقدس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور فضل بھی تھوڑا نہیں بلکہ فضل عظیم ہو تو اس کے علوم و معارف کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جن بے پایاں علوم سے نوازا اور اسرار و معارف کے جن خزانوں سے آپ کے سینۂ اقدس کو لبریز فرمایا، اس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وما هو على الغيب بضنين

اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ (سورۂ التکویر:۲۴)

اس آیتِ کریمہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ علومِ غیبیہ کے خزانے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کو عطا فرمائے، وہ معارفِ الٰہیہ جن سے ان کا سینہ معمور کیا گیا وہ تجلیاتِ ربانی جو ان کے قلبِ انور پر ہر لمحہ نازل ہو رہی ہیں یہ ان کو بتانے میں بالکل بخل سے کام نہیں لیتے بلکہ ان کے علوم و معارف کا سمندر تو ہر گھڑی ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور ہر تشنہ لب کو اپنی طرف بلا رہا ہے۔

**دیوبند مکتبہ فکر** کے مقتدر عالم شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے، یہ پیغمبر ہر قسم کے غیبوں کی خبر دیتا ہے۔ ماضی سے متعلق ہو یا مستقبل سے یا اللہ کے اسماء و صفات سے یا احکامِ شرعیہ سے یا مذہب کی حقیقت سے یا جنت و دوزخ کے حوالے سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا۔ (تفسیر عثمانی)

**پس اے مسلمانو!** غزوۂ بدر کے واقعات سے واضح ہو چکا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بعطائے الٰہی غیب کا علم ہے اور غیب کے علم کا مطلقاً انکار قرآن و حدیث کا انکار ہے جو سراسر کفر ہے۔

**غزوۂ بدر** نے دنیا پر یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ اُمتِ مسلمہ ایک ایسی دینی، روحانی اور نظریاتی برادری ہے کہ جس کی بنیاد نہ وطن ہے نہ خون ہے، نہ رنگ ہے نہ نسل ہے، نہ دولت ہے نہ اقتدار ہے اور نہ ہی زبان ہے۔ یہی وہ جذبہ تھا کہ جس نے غزوۂ بدر میں بھائی کو بھائی کے، باپ کو بیٹے کے اور چچا کو بھتیجے کے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔ اسلام کے رشتے نے اپنے اور بیگانے کا مفہوم ہی بدل کر رکھ دیا۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے عزیز اور قریب ترین جو رشتہ ہے وہ فقط دینِ اسلام کے حوالے سے ہے۔ غزوۂ بدر سے وہ حضرات بھی عبرت حاصل کریں جن کی زبان اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے نہیں تھکتیں مگر اپنے ذاتی مفادات اور اقتدار کی خواہش میں کبھی صوبائی عصبیت کو اُبھارتے ہیں تو کبھی علاقائی عصبیت کو کبھی زبان کی عصبیت کو ہوا دیتے ہیں تو کبھی اسلامی اصولوں کے انہدام کے درپے ہوتے ہیں، کبھی اسلامی بھائی چارہ اور وحدتِ قوم و ملت کو پارہ پارہ کرتے ہیں تو کبھی یہود و نصاریٰ کی اندھی تقلید میں اپنے دین و ایمان کو گنوا بیٹھتے ہیں۔ انہیں یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہئے کہ اسلام میں خون و برادری، علاقے و وطن اور زبان کے رشتے کی کوئی اہمیت نہیں۔

جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستہ ہو گیا اب وہ گورا ہو یا کالا، عربی ہو یا عجمی، امیر ہو یا غریب، فقیر ہو یا بادشاہ، دنیا کے کسی کونے میں رہتا ہو، اُردو بولتا ہو یا انگریزی، فارسی بولتا ہو یا عربی، سندھی ہو یا پنجابی، پٹھان ہو یا بلوچی، سب ایک قوم کے افراد ہیں۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جس میں داخل ہو کر سلمان فارسی، بلال حبشی، صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک قوم کے افراد بن جاتے ہیں مگر جب کوئی دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوتا تو وہ خواہ مکہ مکرمہ میں رہنے والا ابو جہل ہو یا ابولہب، عمرو بن الحضرمی یا عثمان بن عبداللہ مخزومی، عتبہ ہو یا شیبہ، ولید ہو یا کوئی اور انہیں ایک قوم اور ملت ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

اپنی ملت پہ قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

**مسلمانو!** اسلامی تاریخ کے صفحات اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس دنیا میں تشریف آوری کے بعد پورا عرب جو نفرتوں اور عداوتوں کی آگ میں بری طرح جھلس رہا تھا۔ آپ کی اعلیٰ تعلیمات کی بناء پر باہم ایک ہوگیا۔ بغض وعناد کے صنم خانے جو اہل عرب کے دِلوں میں جگہ بنائے ہوئے تھے پاش پاش ہوگئے۔ آقا اور غلام میں کوئی فرق باقی نہ رہا کوئی عربی رہا نہ عجمی، سیاہ رہا نہ سفید، مہاجر و انصار سب بھائی بھائی بن گئے۔ جس سے ایسا پر سکون معاشرہ تشکیل پایا کہ جس کی مثال تاریخ انسانیت میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ مگر آہ! آج دورِ حاضر کے مسلمانوں نے اسلام کی ان اعلیٰ تعلیمات کو یکسر فراموش کردیا۔ دورِ جہالت میں اہل عرب ایک دوسرے کو قتل کرکے جس طرح فخر کیا کرتے تھے بدنصیبی سے اسی دورِ جہالت کی تاریخ کو پھر دُہرایا جارہا ہے۔ آج مسلمان باہمی قتل وغارتگری کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں۔

**مسلمانو!** یادرکھو اسلام سلامتی قائم کرنے والا دین ہے اس لئے جو بھی اسلام کی راہ میں حائل ہوکر قتل وغارت گری کرے گا وہ گویا اللہ اور اس کے رسول کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے۔ اسلام کے ایسے باغیوں کیلئے اللہ تعالیٰ کا کھلا اعلان ہے:

ومن يقتل مومنا متعمدا فجزاؤه جهنم خلدا فيها

وغضب الله عليه ولعنه واعدله عذابا عظيما (سورۂ نساء:۹۳)

اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے

اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کیلئے تیار رکھا بڑا عذاب۔

قرآن مجید کی آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ مسلمانوں کو قتل کرنے والا جہنمی ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر آسمان اور زمین والے سب مل کر بھی کسی مومن کے خون میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ سب کو آگ میں ڈال دے۔

(ترمذی، مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۱۹)

**صحابیِ رسول** حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ تمام گناہ بخش دے گا سوائے اس شخص کے گناہ کے جو مشرک ہو کر مرا یا اس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا۔ (جامع الاصول)

**حضرت** عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے خون کا حساب چکایا جائے گا۔ (ملاحظہ ہو مسند احمد)

**بدنصیبی** سے آج ہمارے ملک پاکستان میں چند ایسے بھی لوگ ہیں جو مسلمانوں کو قتل کرنا ایک معمولی بات سمجھے ہوئے ہیں کوئی سرکاری عہدہ و منصب اور سیاست کی بنیاد پر مسلمانوں کو قتل کر دیتا ہے تو کوئی قوم پرستی کے نام پر قتل کر دیتا ہے، کوئی دولت کی زعم میں کسی غریب کو قتل کر دیتا ہے تو کوئی مفاد پرست اپنے ذاتی مفاد کی خاطر مسلمان کا خون بہاتا ہے۔ غرض یہ کہ جس طرح بھی ممکن ہوتا ہے وہ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر اپنے ہی مسلمان بھائی کا خون بہا دیتا ہے۔

**یاد رکھیئے!** جس طرح اقدامِ قتل ایک ناقابلِ معافی گناہ ہے اور قاتل کی بخشش نہیں اسی طرح کسی کے قتل پر مدد کرنا اور قاتل کی مالی، اخلاقی، مادی مدد کرنا بھی ناقابلِ معافی جرم و گناہ ہے۔ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں ایک کلمہ سے بھی مدد کی تو وہ قیامت میں حق تعالیٰ کی پیشی میں اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم اور مایوس ہے۔ (ملاحظہ ہو معارف القرآن جلد دوئم صفحہ ۴۹۸ بحوالہ مظہری)

**مذکورہ بالا حقائق** سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، مہاجر ہو یا انصار، ایرانی ہو یا افغانی، ملکی ہو غیر ملکی کس قدر عظیم گناہ ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے آپس کے خون اور اموال کو اس طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارے لئے آج کا دِن حرمت والا ہے اور تمہارا شہر مکہ معظمہ حرمت والا ہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری شریف)

**اس** حدیث مبارکہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ مسلمان کا خون اور اس کا مال اور اس کی آبرو اسطرح عظمت اور عزت والے ہیں جس طرح حج کا دن اور مکہ معظمہ کی عزت و عظمت ہر مسلمان کے دل میں ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری ہوا کتنی پاکیزہ! تو کتنا عظیم ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم مگر میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جسکے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جان ہے ایک مومن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک یقیناً تیری حرمت سے زیادہ ہے اس کا مال بھی اور اس کا خون بھی۔

(ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۸۲ و سنن الترمذی شریف)

مسلمانوں کی شان وعظمت کا اندازہ لگائیے کہ ایک طرف تو بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ ہے جو خود بھی عظمت والا ہے جس کی فضا بھی عظمت والی ہے جو روئے زمین کے مسلمانوں کا روحانی مرکز ہے جب کہ دوسری طرف مسلمانوں کی حرمت ہے جسے خانہ کعبہ کی حرمت سے زیادہ حرمت والا قرار دیا جا رہا ہے۔ افسوس ہے ان بدنصیبوں اور دنیا پرستوں پر جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر چند ڈالروں کی خاطر اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے مسلمان بھائی کا خون بہا دیتے ہیں۔ بالخصوص پاکستان کا شہر کراچی مسلمانوں کے خون سے رنگین کیا جا رہا ہے۔ بوڑھے ماں باپ کے سہاروں کو موت کے گھاٹ اُتارا جا رہا ہے۔ اے اپنے دامن کو مسلمانوں کے خون سے داغدار کرنے والو! آخر یہ خونی کھیل کب تک کھیلتے رہو گے؟ اُمتِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا خون کب تک بہاتے رہو گے؟ آخر تمہیں بھی موت آنی ہے۔ روزِ محشر خدا کی بارگاہ میں کس منہ سے حاضر ہو گے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کیسے حاصل کرو گے؟ خدارا! اس خونی کھیل کو بند کرو۔ اسلام کو دنیا میں بدنام نہ کرو۔

واقعہ غزوہ بدر ہم مسلمانوں کو یہ سبق بھی دیتا ہے کہ فتح نصرت کثرت اسلحہ کی محتاج نہیں بلکہ قوتِ ایمانی، جذبہٗ جہاد اور اعلیٰ مقاصد کی مرہونِ منت ہے۔ جو قوم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر نظر رکھ کر میدانِ جہاد میں نکلتی ہے کامیابی ان کے قدم چوم لیتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ حق وصدامت کی علمبردار قوم جب باطل اور طاغوتی قوتوں سے برسرِ پیکار ہونے کیلئے میدانِ عمل میں آتی ہے اور مادی اسباب کے حوالے سے جس قدر بے یار و مددگار ہوتی ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کی حمایت ونصرت کثرت سے اسے حاصل ہوتی ہے۔

کافر ہے تو تلوار پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

بدر کے مقام پر ناموس اسلام کیلئے اپنی قیمتی جانیں قربان کر دینے والے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر لاکھوں رحمتیں اور لاکھوں سلام ہوں کہ جن کے احسانات کے بوجھ سے قیامت تک کے مسلمانوں کی گردنیں جھکی رہیں گی۔ جو قندیلیں کفر کی تاریکیوں میں انہوں نے روشن کیں وہ قیامت تک انسانیت کے بھٹکے ہوئے قافلوں کو سلامتی کا راستہ دکھلاتی رہیں گی۔ جن کے خون سے ایسے درخت کی آبیاری ہوئی کہ جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں آرام کرنے والے لاتعداد انسان ہمیشہ انہیں عقیدت کے آنسو پیش کرتے رہیں گے۔

**محمد نجم مصطفائی** (پنجاب)

05.02.1997